اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائیلنگ سسٹم
۳۴۰/۳۴۱
۳۳۵
کوڈ نمبر ۵۲۳۱

لہ دعوۃ الحق
قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار
ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۲۳
شمارہ ۸
رمضان شوال ۱۴۰۸ھ
مئی ۱۹۸۸ء

مدیر: مولانا سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک پاکستان میں سالانہ ۴۰ روپے ۔ فی پرچہ ۴ روپے = بیرون ملک بحری ڈاک ۶ پونڈ ۔ ہوائی ڈاک ۱۰ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

معاہدہ جنیوا

کیا کھویا ــــ کیا پایا؟

قائد جمعیۃ مولانا سمیع الحق سیکرٹری جنرل جمعیۃ علماء اسلام

سینیٹر مولانا سمیع الحق نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں ۱۸ اپریل ۸۸ء کو جنیوا معاہدہ کے بارے میں اظہارِ خیال کیا۔ اس خطاب کا متن حسب ذیل ہے ــ (ادارہ)

جناب چیئرمین! جنیوا معاہدہ پر ممبران اظہارِ خیال کر رہے ہیں اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ یہ کسی سیاسی اور گروہی بنیادوں پر مبنی نہیں ہے اور ہر ممبر کو حق ہے کہ وہ ملک و ملت کی خیر خواہی اور استحکام کے پیشِ نظر اس معاملہ پر اظہارِ خیال کرے خواہ وہ حزبِ اختلاف سے تعلق رکھتا ہو یا حزبِ اقتدار سے۔ ملک کی سالمیت کا مسئلہ ان تمام گروہی تقسیموں سے بالاتر ہوتا ہے۔ جنیوا معاہدہ کے لیے ایک طویل جد و جہد اور مشق اور طویل دور جنیوا کے مذاکرات پر گذرا اور اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ بدقسمتی سے جو عظیم مشکل اور بحرانی مسئلہ افغانستان کی شکل میں ہمارے سامنے پیش آیا ہے اس کا کیسے خاتمہ کیا جائے اور جنگ کا کیسے خاتمہ ہو اور افغانستان میں امن اور سلامتی کیسے پیدا کی جائے اور تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ لاکھ مہاجرین جو انتہائی مصیبتوں میں دربدر پھر رہے ہیں وہ کیسے وہاں واپس چلے جائیں؟ یہ تین چار اصل مقاصد تھے جنیوا معاہدہ کے لیے، جس کے لیے اتنی طویل جد و جہد پاکستان کے وزراء خارجہ نے بھی کی اور باہر کی طاقتوں نے بھی۔ آج اگر یہ مقصد اس معاہدہ سے حاصل ہوتا ہے تو ہم بلاشبہ اس کی تحسین کریں گے اور اس کا خیر مقدم کریں گے، لیکن اگر واقعات کی دنیا میں اور حقائق کی دنیا میں ان چار باتوں میں کوئی بھی مقصد ہمیں حاصل نہیں ہو سکتا تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ خواہ مخواہ ایک ایسی محنت کی گئی اور جد و جہد میں اتنا وقت گذارا گیا جس سے پاکستان کو کم از کم کچھ حاصل نہ ہو سکا۔

پاکستان نے مداخلت کے جرم کا اعتراف کیا

ہمیں پہلے تو پاکستان کے نقطۂ نظر سے دیکھنا ہے کہ ہم نے اس معاہدہ سے کیا کھویا اور کیا پایا؟ بعد میں ہمیں دیکھنا ہے کہ افغانستان کے مجاہدین کو کیا ملا یا کیا نہیں ملا یا وہاں امن قائم ہو جائے گا یا نہیں؟ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان نے بلاوجہ (جس جرم میں شریک نہیں تھا) اس سارے جرم کو اپنے سر پر لے لیا اور اس نے عالمی پلیٹ فارم پر اعتراف کیا کہ میں مداخلت کر رہا ہوں جبکہ ہم نے کبھی افغانستان کے مسئلہ میں مداخلت نہیں کی، مداخلت ایک بڑی سپر طاقت نے کی اور اس نے ظلم و بربریت کا بازار گرم کر دیا، لاکھوں انسانوں کو قتل کیا اور پورے

افغانستان کو ایک کھنڈر میں تبدیل کر دیا۔ اور پچاس لاکھ افراد کو وہاں سے اٹھا کر دنیا بھر میں بے یار و مددگار پھینک دیا۔ اس عظیم جابر اور ظالم قوت نے مداخلت کی اور اس کے نتیجے میں تیس (۳۰) پینتیس (۳۵) لاکھ افراد پاکستان آئے اور پاکستان نے ایمان کے جذبے سے انصار کے جذبہ سے ان کو پناہ دی کہ کوئی اور راستہ ہی نہیں تھا اور روس چیختا رہا آٹھ سال سے کہ پاکستان مداخلت کر رہا ہے اور دنیا بھر کے اقوام، غیر جانبدارانہ اقوام، اقوام متحدہ، اسلامی تنظیم وہ اس الزام کی تردید کرتی رہیں اور کہتی رہیں کہ مداخلت روس کر رہا ہے، پاکستان کا اس مداخلت میں کوئی ہاتھ نہیں۔ اس معاہدے کا آغاز ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ: ڈیموکریٹک ری پبلک آف افغانستان اور اسلامک ری پبلک آف پاکستان۔ آخر تک یہ سلسلہ چل رہا ہے کہ "عدم مداخلت کے اصول کی مکمل پابندی انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور سماجی نظام، کسی قسم کی بیرونی مداخلت، دخل اندازی، تخریب، دباؤ یا دھمکی کے بغیر آزادی سے طے کرنا چاہیئے۔" اور آرٹیکل ۳، اور ۴ کے بعد اس میں واضح طور پر ہے کہ: "ڈیموکریٹک ری پبلک آف افغانستان اور اسلامی ری پبلک آف پاکستان کے مابین باہمی تعلقات کے اصولوں بالخصوص عدم مداخلت پر دو طرفہ سمجھوتہ"۔ یعنی یہ ہم نے دستخط کر کے ثابت کر دیا کہ واقعی ہم مداخلت کر رہے ہیں۔

اصل قاتل اور جارح روس کو ثالث بنا دیا

اور اصل مجرم اور ظالم جو تھا اُس کی حیثیت اس معاہدے میں کیا کر دی گئی، اس کو ایک داروغہ بنا دیا گیا، اُس کو ایک ضامن کی حیثیت دے دی گئی، اُس کو ایک ثالث کی حیثیت دے دی گئی، کیونکہ اسی پیراگراف میں آگے ہے کہ: یونین آف سوویت سوشلسٹ ری پبلک اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی طرف سے بین الاقوامی ضمانتوں کا اعلان"۔ معاہدے میں جہاں بھی روس کا ذکر ہے اس کی حیثیت ایک ضامن کی ہے، ضامن ہرگز ایک فریق نہیں ہوتا، ضامن ایک ثالث ہوتا ہے۔ تو وہی قاتل تھا، اُسی کو منصف ٹھہرا لیا گیا۔ روس تو یہی چیختا تھا کہ یہ ساری مصیبت پاکستان کی اٹھائی ہوئی ہے، اور روس اور افغانستان کے میڈیا میں اس کو افغانستان کی اردگرد کی صورتحال سے تعبیر کیا جاتا رہا کہ یہ کوئی بین الاقوامی مسئلہ نہیں ہے، یہ افغانستان اور پاکستان دو پڑوسیوں کی جنگ ہے اور امریکہ کی شرارت سے پاکستان بار بار مداخلت کر رہا ہے اور افغانستان کے اردگرد کی صورتحال بگڑی ہوئی ہے اور روس بالکل ایک تماشائی ہے۔ **الغرض** ہم نے اس معاہدے پر دستخط کر کے یہ سارا الزام واضح طور پر اپنے سر پر لے لیا ہے کہ ہم مداخلت کرتے رہے، جبکہ آٹھ سال تک ہم نے ظلم کے خلاف مظلوم کی حمایت کی، آزادی کیلئے لڑنے والوں کی نصرت کی، مگر اب سارے کیے کرائے پر ہم نے اس معاہدے کے ذریعے پانی پھیر دیا۔

جناب چیئرمین! یہ معاہدہ کابل اور اسلام آباد کے درمیان نہیں ہونا چاہیئے تھا، یہ معاہدہ مجاہدین اور روس کے درمیان ہونا چاہیئے تھا۔ کابل کی اپنی کوئی حیثیت نہیں، وہ تو روس کی کٹھ پتلی حکومت تھی اور وہ روس کی حکومت کے کارندے تھے، وہ تو ماسکو کی ایک برانچ تھی، اصل تو مجاہدین تھے۔ ہم نے بلاوجہ اسلام آباد کو اس میں ملوث کر دیا، کیا اسلام آباد نے مداخلت کی تھی کہ آج اس کو روکا جا رہا ہے۔ معاہدہ میں تو واضح طور پر ایک بھی پیرا ایسا نہیں ہے کہ روس ہرگز مداخلت نہیں کرے گا، حالانکہ اصولی طور پر ہونا یہ چاہیئے تھا کہ عدم مداخلت کی ضمانت روس سے لی جاتی۔ تو روس کو تو حق دیدیا گیا کہ آپ اپنی کٹھ پتلی

حکومت کی ہر طرح کی مدد کرسکتے ہیں، یعنی اس کو تو مداخلت کا باقاعدہ تحفظ دیا گیا کہ آپ جب بھی چاہیں، روس جو ہزاروں میل کی سرحدات افغانستان کے ساتھ ہیں، بلا روک ٹوک نجیب حکومت کی ہر وقت مدد کرسکتے ہیں، یعنی اس کو تو مداخلت کی آزادی ہے اور ہمارے لیے ہر قسم کی مداخلت پر پابندی ہے کیونکہ مداخلت ہم کرتے تھے، حالانکہ ہم مداخلت نہیں کرتے تھے بلکہ مجاہدین اپنی آزادی اور دفاع کی جنگ لڑ رہے تھے۔ تو ہم نے ایک بہت بڑی رسوائی اور بدنامی بین الاقوامی پلیٹ فارم پر مول لی ہے۔ اور ہم نے اس طرح خود یہ اعتراف کرلیا ہے اس جرم کا جس کے ہم مجرم نہیں ہیں۔ گویا ہم اب تک مداخلت کر رہے تھے اور اب مداخلت سے باز آجائیں گے تو پھر امن و امان قائم ہو جائے گا۔

اصل فریق مجاہدین سے وعدہ خلافی کی گئی

دوسری بڑی غلطی اس معاہدے میں یہ ہے کہ ہم اس کے فریق نہیں تھے، مجاہدین اصل فریق تھے، مجاہدین نے ایک عظیم جنگ لڑی ہے، تاریخ کی بے مثال قربانی دی ہے اور انہوں نے حقیقت میں ہماری جنگ لڑی ہے، اور یہ جہاد اور دفاع پاکستان کا مسئلہ تھا۔ ہم نے مذاکرات کے دوران چار سال سے بار بار یہ اعلانات کیے، صدر مملکت نے بھی اور جناب وزیر اعظم صاحب نے بھی اور وزیر خارجہ صاحب نے بھی بار بار یہ اعلانات کیے اور وعدے کیے کہ ہم معاہدے کو آخری شکل تب دیں گے جب مجاہدین کو ہم اعتماد میں لے لیں گے اور مجاہدین کی مرضی اور ان کے اعتماد کے بغیر کسی معاہدے پر آخری دستخط نہیں کریں گے۔ تو کیا ہم ان وعدوں پر پورے اترے اور کیا ہم نے واقعی مجاہدین کو اعتماد میں لیا اور ہم نے مجاہدین کی خوشنودی حاصل کرلی حالانکہ وہ چیخ رہے ہیں اور تڑپ رہے ہیں، رو رہے ہیں کہ ہماری آٹھ سال کی جنگ اور روس نے ہم پر جو ظلم و ستم کیا تھا، اس سے تو ہم نے نجات حاصل کرلی لیکن یہ جو ہمارے ساتھ ٹریجڈی ہوئی ہے اور یہ جو ظلم ہمارے ساتھ ہوا ہے، یہ روس سے بڑھ کر ہمارے اوپر ایک بڑا حادثہ ہے ــــ وہ اللہ کی نصرت سے اب بھی مایوس نہیں ہیں۔ لیکن ہم نے ان وعدوں کو اور عہد و پیمان کو نظر انداز کردیا کہ ہم مجاہدین کی مرضی کے بغیر، ان کو اعتماد میں لیے بغیر کسی معاہدے پر دستخط نہیں کریں گے۔

روس اپنے ایجنٹوں کی مدد کرتا رہے گا مگر مجاہدین بے دست و پا کردیئے گئے

تیسری بات یہ ہے کہ معاہدے کی رو سے کہا گیا ہے کہ امریکہ اور روس دونوں اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کرسکتے ہیں۔ بظاہر خفیہ اور اصل باتیں اور ہوں گی، مگر روس کے لیے مدد کا دروازہ تو بالکل کھلا ہوا ہے، اس کی سینکڑوں اور ہزاروں میل سرحدات براہ راست افغانستان کے ساتھ ملی ہوئی ہیں، وہ جس وقت بھی چاہے اپنی کٹھ پتلی گورنمنٹ کی مدد کرسکتا ہے لیکن افغانستان کے ساتھ امریکہ کی کوئی سرحد نہیں ملتی ہے، امریکہ اگر مدد بھی کرے تو کس ذریعہ سے کرے گا، کیا وہ آسمان سے ہیلی کاپٹر بھیجکر افغانستان میں مجاہدین کی مدد کرے گا؟ جبکہ ہمارے ہاتھ پاؤں مکمل باندھ لیے گئے ہیں۔ اور یہاں تک معاہدہ میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی قسم کے دہشت پسندوں کے گروہوں، توڑ پھوڑ کرنے والوں یا تخریب کاری کرنے والے ایجنٹوں کی ہر قسم کی امداد روکی جائے گی

یا انہیں برداشت نہیں کیا جائے گا یا انہیں دوسرے فریق کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا (آرٹیکل ۲، دفعہ ۱۲) علاقوں کے اندر کیمپوں یا اڈوں یا کسی اور طریقے سے ایسے افراد سیاسی، نسلی یا کسی اور قسم کے گروہ کی موجودگی، انہیں پناہ دینے، انہیں منظم کرنے، ان کی تربیت کرنے، ان کی مالی معاونت کرنے، انہیں ساز و سامان بہم پہنچانے، انہیں مسلح کرنے سے روکا جائے گا۔ (آرٹیکل ۲، دفعہ ۱۲)

امریکہ کہاں سے مدد کرے گا

یہ صورتحال ہے کہ جب بالکل ہمارے ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوں گے تو امریکہ کہاں سے مدد کرے گا؟ اگر ہم فرض کریں کہ امریکہ پاکستان ہی کے ذریعے مدد کرے گا تو گویا ہم نے پہلے سے یہ طے کر لیا کہ خفیہ طور پر ہم اس معاہدے کی خلاف ورزی کریں گے کسی معاہدے پر کوئی شخص ہم نے ایسا نہیں دیکھا کہ دستخط کرتے وقت اس کی نیت یہ ہو کہ بظاہر تو میں دستخط کرتا ہوں لیکن اندر سے میں اس کی مخالفت کروں گا، تو یہ ایک حیرت انگیز بات بن گئی ہے پھر جب ہم نے یہ معاہدہ کر لیا، اب ہم خفیہ مدد کریں یا نہ کریں لیکن روس واویلا مچائے گا اور دنیا بھر میں چیخے گا کہ حکومتِ پاکستان مداخلت کر رہی ہے اور وہ معاہدے کی خلاف ورزی کر رہی ہے، اور اسی کو بہانہ بنا کر خدانخواستہ ہم پر چڑھ دوڑنے کا جواز بنا سکے گا، وہ دنیا کو ثبوت کے ساتھ نہیں باور کرا سکتا تھا اب تو وہ ثبوت کے ساتھ کہے گا کہ میں بے گناہ ہوں اور مجھے حق ہے کہ میں پاکستان کو جو چاہوں سزا دے دوں — تو پاکستان کو ہم نے ایسے خطرے میں ڈال دیا ہے، اور اگر ہم اس خطرے سے الگ رہیں تو پھر جب امریکہ کی مدد وہاں بالکل نہیں پہنچ سکتی، امریکہ کی مدد نہیں پہنچ سکے گی اور روس کی حکومت کی مدد جاری رہے گی تو کیا ہم کٹھ پتلی حکومت سے آزادی حاصل کر سکیں گے؟ اور جب تک آزادی حاصل نہیں ہو گی تو کیا وہاں امن قائم ہو سکے گا؟ کیا وہاں خانہ جنگی ختم ہو جائے گی؟ اس معاہدے کی رو سے نہ تو خانہ جنگی ختم ہو گی نہ مہاجرین واپس جا سکیں گے، نہ اس کے شر اور فساد سے پاکستان محفوظ رہ سکے گا۔

ہم نے روس کو افغانستان میں بیٹھے رہنے کا تحفظ دے دیا

زیادہ سے زیادہ روسی افواج واپس چلی جائیں گی میں سمجھتا ہوں کہ روسی افواج کو ہم نے تحفظ دے دیا ہے۔ روسی افواج نے اعلان کیا تھا کہ ہم ہر حالت میں واپس جائیں گے معاہدہ ہو یا نہ ہو۔ تو یہ ایک مثبت چیز جو بظاہر ہمیں معاہدہ میں نظر آ رہی ہے وہ روسی افواج کا انخلاء ہے۔ تو اس معاہدے کا اس انخلاء میں کوئی رول نہیں ہے۔ ہم معاہدہ نہ بھی کرتے تو بھی روسی افواج واپس جاتیں۔ مگر الٹا نقصان یہ ہوا کہ اقوام متحدہ نے، اسلامی تنظیم نے اور تمام عالمی غیر جانبدار اور حریت پسند اقوام نے مطالبہ کیا تھا کہ غیر مشروط طور پر روس واپس چلا جائے اور بلا تاخیر چلا جائے۔ ہم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ ہم نے روس کو ۹ مہینے کی مہلت دے دی اور ان کو تحفظ دے دیا کہ ۹ مہینے تک تو آپ وہاں بیٹھے رہیں گے۔ روسی فوج کے انخلاء کے لیے ۹ مہینے کی مدت کی کوئی فوجی ضرورت نہیں تھی، وہ ایک ہفتے کے اندر اندر وہاں سے فوج نکال سکتا ہے۔ یہ ۹ مہینے کی مدت اس نے سیاسی ضرورتوں کے پیشِ نظر ہم سے حاصل کر لی اور ۹ مہینے میں وہ تمام سیاسی مفادات اور تحفظات حاصل کر کے وہاں سے جائے گا۔ مجاہدین چاہتے تو اسے ایک مہینے میں بھی جانے پر مجبور کر سکتے تھے، ایک ہفتے میں بھی جانے پر مجبور کر سکتے تھے، لیکن آپ نے سب کے ہاتھ باندھ

لیے کہ نہیں ۹ مہینے تو بالکل ان کو رہنا ہے خواہ وہ شکست کھا چکے ہوں، خواہ وہ ذلیل ہو چکے ہوں، لیکن ۹ مہینے بہرحال انہوں نے اپنے مقاصد اور مفادات کی تکمیل وہاں کرنی ہے۔

عبوری حکومت کی گارنٹی نہیں دی گئی

پھر اصل مسئلہ عبوری حکومت کا ہے، تو عبوری حکومت کی بات بھی بالکل غیر واضح اور مبہم ہے عبوری حکومت کے لیے معاہدے میں کوئی یقینی تحفظ نہیں رکھا گیا۔ اس میں کہا گیا ہے کہ کارڈوویز صاحب غیر سرکاری جدوجہد کریں گے، بات چیت کریں گے، ذاتی طور پر وہ عبوری حکومت اور مخلوط حکومت کے قیام کے لیے کوشش جاری رکھیں گے۔ اب اس کی ذاتی حیثیت کیا ہے؟ جب روس، امریکہ، افغانستان عبوری حکومت بنانے کے ضامن نہیں ہیں تو عبوری حکومت کیسے قائم ہو سکے گی؟ روس نے ہرگز تسلیم نہیں کیا کہ میں عبوری حکومت کے لیے بات چیت کے لیے بھی تیار ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ اسی معاہدے میں اس نے کہا ہے کہ میں اپنی کٹھ پتلی حکومت کی امداد جاری رکھ سکوں گا۔ جب وہ نجیب اللہ کی امداد جاری رکھنے کا اعلان کرتا ہے اور اپنے لیے تحفظ لیتا ہے، تو کیا وہ عبوری حکومت کے لیے تیار ہو سکتا ہے؟ عبوری حکومت کے لیے اگر وہ تیار ہوتا تو وہ اس امداد کو جاری رکھنے کا تحفظ حاصل نہ کرتا۔ تو اس طرح حکومت نے عبوری حکومت کا صرف پیش بندی کے طور پر اور دل بہلانے کے طور پر معاہدے میں ذکر کر دیا ہے لیکن عملاً اس کی کوئی صورت ہمارے سامنے نہیں آ سکے گی۔

مہاجرین کی باعزت واپسی کی ضمانت نہیں دی گئی

اس میں مہاجرین کی باعزت واپسی کا ذکر ہے لیکن وہ پھر بالکل مبہم ہے کہ کیسے باعزت واپسی ہوگی، جب نو مہینے وہاں فوج مسلط رہے گی اور نو مہینے کے بعد انخلاء ہوگا اور نجیب گورنمنٹ بھی وہاں براجمان رہے گی اور اسلحہ کے ڈھیر کے ڈھیر اس کے پاس آتے رہیں گے۔ تو ان حالات میں مہاجرین کا باعزت تحفظ کیسے ممکن ہے۔ اس ۹ مہینے سے پہلے اگر ہم یہ توقع رکھیں کہ مہاجرین وہاں جائیں تو یہ بہت بڑی زیادتی ہے، ایک بھیڑیئے کے سامنے ان کو پھینکنا، ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دینا اور اُن سے کہنا کہ اب آپ چلے جائیں۔

کیا یہ سب کسی سپر طاقت کی وجہ سے تھا؟

کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم نے اب تک سپر طاقتوں کے مفادات کی وجہ سے سب کچھ کیا؟ اس میں ایمان کا کوئی جذبہ نہیں تھا، اس میں ہمارے موقف کی سچائی نہیں تھی، جب اُن کی ضرورت پوری ہو گئی اور انہوں نے ہمیں سگنل دے دیا، ہم نصرت، ہجرت، جہاد، ایمان اور اخوت کی ساری باتوں کو پس پشت ڈال کر بیٹھ گئے۔ اور ابھی معاہدہ کی سیاہی خشک نہیں ہوئی مگر ہم آج سے چیخ رہے ہیں کہ مہاجرین واپس چلے جائیں جبکہ آج بھی وہاں توپیں چل رہی ہیں، آج بھی وہاں بمباری ہو رہی ہے، آج بھی مجاہدین اور روس کی لڑائی جاری ہے، آپ اس آگ اور خون کے طوفان میں مہاجرین کو کیسے بھیجتے ہیں، کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ ہم نے جتنی بھی نیک نامی اور دنیا بھر میں شہرت حاصل کی تھی، اُس کو ہم نے بلاوجہ ایک بڑی طاقت کے اشارے پر گنوا دیا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ مہاجرین کی باعزت واپسی کا اس معاہدے میں کوئی بھی انتظام نہیں ہے۔

مذاکرات سے روس نے اپنے مقاصد حاصل کر لیے | اسلام آباد اور کابل کے درمیان اس معاہدے کو محدود کر کے روس نے وہ مقاصد حاصل کیے جو دس سال تک وہ مستقل جنگ میں حاصل نہیں کر سکا تھا۔ اس نے مذاکرات کی میز پر اور اس جنیوا معاہدہ کی شکل میں وہ مقاصد حاصل کر لیے جو جنگی قوت، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں اور میزائلوں سے اس نے حاصل نہیں کیے تھے۔ اس کو کیا فائدہ ہوا؟ ایک تو یہ کہ اس نے دنیا کو یہ باور کرایا کہ یہ بین الاقوامی تنازعہ نہیں تھا بلکہ یہ دو پڑوسی ملکوں کا جھگڑا تھا اور ان دو پڑوسیوں کو میں نے باندھ لیا ہے اور خواہ مخواہ لوگ چیخ رہے تھے کہ روس نے ظلم کیا۔ روس نے کہا کہ میں نے تو امن قائم کرایا ہے، میں تو امن کا دیوتا ہوں۔

جناب چیئرمین | مولانا اب کچھ ریپٹیشن شروع ہوا ہے تو اگر آپ اپنی تقریر کو مختصر کریں۔

مولانا سمیع الحق | بالکل مختصر کرتا ہوں۔ دوسرا مقصد روس نے یہ حاصل کیا کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک بڑی محبت تھی اور لازوال اخوت کا رشتہ قائم ہو گیا تھا، ان ساری محبتوں کو اس نے سبوتاژ کرایا اور ایسے حالات میں ہمیں کھڑا کر دیا ہے کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان خدانخواستہ وہ محبت کہیں نفرت سے نہ بدل جائے۔

دوسرا معاہدہ تاشقند | الغرض میں مختصراً اتنا عرض کروں گا، تفصیلات کا شاید زیادہ وقت آپ نہیں دیں گے تو میں اس کو بدقسمتی سے پاکستان کے لیے ایک دوسرا معاہدہ تاشقند سمجھتا ہوں اور ہم نے جیتی ہوئی جنگ ہار دی اور وہ فتح جو اللہ نے اسلام آباد کو دی تھی اُس کا ایک بہترین سنہری موقع جو اللہ نے ہمیں دیا، اس موقعہ کو ہم نے گنوا دیا اور اس معاہدہ میں پاکستان سراسر گھاٹے میں رہے گا اور اس کی دلیل ایک یہ ہے کہ جو وطن دشمن قوتیں جو روس کی یہاں ایجنٹ رہتی ہیں، وہ اس معاہدے پر شادیانے بجا رہی ہیں۔ آج ایک بڑے لیڈر کا جو روس کا ہمنوا ہے اور جو مجاہدین کو افغان بھگوڑے کہتا ہے، اس نے چیخ چیخ کر کل پریس کانفرنس میں لعنت ملامت کی ہے کہ یہ افغان بھگوڑے اوجڑی کیمپ میں کیا کر رہے تھے اور یہ تھا وہ تھا۔ اُس نے کہا ہے کہ ہم معاہدے پر جشن منائیں گے۔ جس معاہدے پر ولی خان اور اس کے ہمنوا جشن منانے کا اعلان کریں، اس سے یہ بات واضح ہے اور گواہ ہے کہ اس معاہدے سے پاکستان اور مجاہدین کو سراسر نقصان ہی نقصان ہو گا۔ شکریہ!

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

اِنسانیّت کی رہنمائی میں اِسلام کا تاریخی کردار

عالمِ اسلام کے لئے یہ بات قابل شکر و مسرت ہے ۔ کہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامی تعلیمات کا ایک مرکز باقاعدہ قائم ہوگیا ہے ۔ اس مرکز کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ہیں ۔ اور ہندوستان ہی کے ایک نوجوان اسکالر ڈاکٹر فرحان نظامی نے اس کا نقشۂ عمل تیار کیا اور اس کے قیام کے لئے جدوجہد کی ۔ اور بڑی کاوشوں اور دشوار گذار منزلوں کو طے کرکے کامیابی کی منزل میں داخل ہوگئے ۔ اس بات کی اہمیت وہ حضرات جانتے ہیں جن کے علم میں یہ حقیقت ہے ۔ کہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں یہودیوں نے تو ہر جگہ اپنا مرکز کسی نہ کسی نام سے قائم کر رکھا ہے ۔ کہیں اس کا نام "سامی زبانوں کا مرکز" ہے اور کہیں مڈل ایسٹ سینٹر ہے ۔ اور انہی مراکز سے مشرقی اور عرب ممالک کے طلبہ اسلامیات اور عربی زبان و ادب میں ڈگریاں حاصل کرتے رہے ۔ عرب ممالک کے یونیورسٹیوں کے بہتیرے وائس چانسلر، ڈین آف فیکلٹی اور پروفیسر انہی مراکز کے فارغ التحصیل ہیں ۔ جو یورپ اور امریکہ میں یہودیوں نے قائم کئے ہیں ۔ لندن یونیورسٹی کا اسکول آف اورنٹیل اینڈ افریقن اسڈیز بہت مشہور ہے ۔ اس میں ایک شعبہ عربی زبان کا بھی ہے عربی زبان کے ضمن میں اسلامی تعلیمات کو بھی شمار کیا ہے ۔ چنانچہ میرے علم میں متعدد اصحاب علم و دانش وہ ہیں جنہوں نے اس شعبہ کے ماتحت امام غزالی ۔ امام ابن تیمیہ پر ریسیرچ کیا ہے ۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی پر بھی ہمارے ملک کے بعض اصحاب علم نے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں ۔ کیمبرج اور آکسفورڈ میں بھی مذہب کے تقابلی مطالعہ کے شعبہ اور عربی فارسی ڈیپارٹمنٹ سے حدیث و قرآن پر لوگ ریسرچ کر چکے ہیں ۔

اڈنبرا کے پروفیسر مانٹ گمری واٹ مشہور مصنف اور سیرت نبویؐ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں ۔ انہوں نے ان طلبہ کے لئے جو قرآن کریم پر ریسرچ کرنا چاہیں ایک اسکالرشپ بھی منظور کرا لیا تھا ۔ بشرطیکہ ان کے ریسرچ کی اس مفروضہ پر ہو کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے ۔ لیکن کسی یونیورسٹی میں ایسا سکول یا انسٹی ٹیوٹ نہیں تھا جہاں مسلم اسکالرس کی زیر نگرانی اسلامی تعلیمات پر ریسرچ کرایا جائے ۔ بہ خصوصیت آکسفورڈ یونیورسٹی کے اس نو مولود سنٹر کو حاصل ہوئی ہے ۔ خوشی کی بات ہے کہ اس مرکز کی اہمیت کو عصر حاضر کے ممتاز علماء

اور بین الاقوامی سطح کی مشہور شخصیات نے سمجھا اور ابھی اگست کے آخر میں اس کے بورڈ کا دوسرا جلسہ انتظامی ہوا جس میں یہ سب شریک تھے۔ رابطہ عالم اسلامی کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ نصیف جو جدہ کی ملک عبدالعزیز یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ جامعہ محمد بن سعود ریاض کے صدر ڈاکٹر عبد اللہ عبدالمحسن الترکی، ام درمان یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر کامل الباقر، ہندوستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر خلیق نظامی ندوۃ العلماء کے " کلیۃ الادب " کے صدر مولانا سید محمد رابع الحسنی ان کے علاوہ اس کے جلسوں میں آکسفورڈ کے مختلف کالجوں کے مستشرقین نے بھی شرکت کی۔ اس لحاظ سے یہ سنٹر عالم اسلام کا ایک مشترک سرمایہ ہے۔

اس بورڈ کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی مدظلہ، چونکہ عالم اسلام سے قریبی واقفیت رکھتے ہیں " رابطۃ الجامعات الاسلامیہ " (یونین آف اسلامک یونیورسٹیز) کے بھی رکن ہیں۔ اور ان کے علم میں یہ بات ہے کہ یورپ و امریکہ کی ڈگریاں حاصل کرنے والے آج بھی بہتیرے عرب ممالک میں وزارت یا بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ لہذا اگر ان کی ذہنی و علمی تربیت مسلمان اہل دانش کی سرپرستی میں ہو گی تو ان ممالک میں اسلامی اقدار کی حفاظت کا سامان ہو گا۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا نے بستر علالت سے اٹھتے ہی اس طویل اکتا دینے والے سفر کی زحمت برداشت کی۔

اس سفر میں مولانا نے سینٹ کراس کالج میں اسی مرکز کے ماتحت ایک محاضرہ بھی دیا جو کویت کے ایک صاحب علم اور مخیر تاجر جناب عبداللہ العلی المطوع سے منسوب لیکچروں کے سلسلہ کی پہلی کڑی اور افتتاحی محاضرہ تھا یہ تفصیلی نوٹ اور اس کا اردو ترجمہ معاصر رسالہ " ذکر و فکر " میں شائع ہوا۔ ہم رسالہ مذکور کے شکریہ کے ساتھ محاضرہ ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔　　(بہ شکریہ تعمیر حیات)

نبوت محمدیؐ کا اعجاز اور انقلابی کارنامہ

حضرات! اگر کوئی واحد ہستی ایسی ہے جس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکے کہ اس نے حقیقتاً تاریخ کا رخ موڑ دیا ہے۔ جس نے انسان کو جہالت کے بجائے علم، فرسودہ روایات کے بجائے تعقل اور آباؤ اجداد کے نقش قدم کی کورانہ پیروی کے بجائے عقل و بصیرت اور تفکر و تدبر سے کام لینے کا عادی بنایا ہے، تو وہ ذات گرامی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے آپؐ تاریخ کے اس دوراہے پر کھڑے نظر آتے ہیں جہاں سے عقل و استدلال اور توہم پرستی کے راستے جدا ہوتے ہیں۔ آپ کی تعلیمات نے انسان کو عقل کی روشنی عطا کی۔ اور اس کی مبصرانہ صلاحیتوں کو جلا بخشی۔

اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں خالق کائنات نے نوع بشری کو علم عطا کرنے کے احسان کا ذکر کیا ہے۔ اور اس قلم کو اس کو وسیلہ قرار دیا جس سے علم کا تاریخی سفر وابستہ ہے اور جس سے

تصنیف و تعلیم کی عالم گیر تحریک جاری ہوئی۔ اور علم ایک فرد سے دوسرے فرد، ایک قوم سے دوسری قوم، ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ اور ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا رہا۔ دنیا میں علم کی اشاعت اور انسانی ضرورت کے مطابق اس کی عمومیت کا فخر اسی کو حاصل ہے اور اس کی گردش و جنبش سے مدارس و جامعات اور علمی اداروں اور کتب خانوں کی دنیا آباد ہے۔

جہاں تک بشری قرائن و قیاسات کا تعلق ہے۔ اس بات کا کوئی تاریخی و عقلی قرینہ نہ تھا کہ پہلی وحی کے ذیل میں "قلم" کا ذکر بھی آسکتا ہے۔ کیونکہ یہ وحی ایک امی انسان ایک ان پڑھ قوم کے درمیان اور ایک پسماندہ علاقہ میں نازل ہو رہی تھی۔ جہاں پارۂ چوب جس کا نام "قلم" ہے۔ سب سے زیادہ نادر و نایاب شئے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی لئے عربوں کا لقب ہی "امیین" پڑ گیا تھا۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم ایاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة ق وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۰ (الجمعه)

وہی تو ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ درآں حالیکہ یہ لوگ پہلے سے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

ایک غیر متوقع آغاز | غار حرا میں نبی امی پر پہلی وحی اترتی ہے۔ (جب کہ چھ سو سال کے طویل وقفہ کے بعد زمین کا آسمان سے بلکہ صحیح تر الفاظ میں آسمان کا زمین سے وحی و نبوت کے ذریعہ رابطہ قائم ہوا تھا) تو اس میں عبادت کا حکم اور اللہ کی معرفت اور اطاعت وغیرہ کوئی ایجابی یا بتوں کے ترک کرنے یا جاہلیت اور اس کے عادات و اطوار پر نکیر جیسی کوئی سلبی بات نہیں کہی گئی۔ اگرچہ یہ سب باتیں اپنی جگہ پر اہم تھیں۔ اور اپنے اپنے موقعہ پر ان کی وضاحت و تبلیغ کی گئی۔ بلکہ کلمہ "اقرأ" سے اس وحی کا آغاز ہوا۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق ۰ خلق الانسان من علق ۰ اقرأ وربك الاکرم ۰ الذی علم بالقلم ۰ علم الانسان مالم یعلم ۰ (العلق)

آپ پڑھئے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے۔ آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی، جس نے انسان کو ان چیزوں سے تعلیم دی جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔

اس طرح یہ تاریخی واقعہ ظہور پذیر ہوا جس نے مؤرخین و مفکرین کے غور و فکر کے لئے نئے اور وسیع آفاق مہیا کئے۔ اور یہ اس حقیقت کا بلیغ اور واضح اشارہ تھا۔ کہ اس نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ انسانیت اور مذاہب کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوگا جو وسیع و عمیق معنوں میں قرأت (خواندگی) اور پڑھنے لکھنے کا وسیع و ترقی یافتہ دور اور علم کی حکمرانی کا عہد زریں ہوگا۔ اور علم و دین دونوں مل کر نئی انسانیت کی تعمیر و تشکیل کریں گے۔

قرآن علم کے مختلف ذرائع کے | **انفس و آفاق اور اقوام و ملل کے ماضی پر غور و فکر کی دعوت اور اس کے فائدے**

تذکرہ کے ساتھ ان اشیاء کی جانب توجہ دلاتا ہے جن کا مطالعہ حصول علم کے لئے کیا جانا چاہئے اس سلسلہ میں اس نے انفس وآفاق اور گذشتہ اقوام کے احوال جنہیں قرآن نے "ایام اللہ" اور "سنۃ اللہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور آج جسے تاریخ کہتے ہیں) کی جانب توجہ دلائی ہے۔ تاکہ انسان ان پر غور و خوض کر کے مفید نتائج برآمد کر سکے۔ اور بڑے قیمتی اور دور رس، پر از امکان اور انسانی مستقبل پر گہرائی سے اثر انداز ہونے والے نتائج تک پہنچ سکے۔

علامہ اقبال عقل انسانی اور علم کے وسائل ومصادر کی اسلام کے ذریعہ وسعت و نتیجہ خیزی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مشہور خطبات[۴] میں لکھتے ہیں

"لیکن مشاہدات باطن صرف ایک ذریعہ ہیں علم انسانی کا۔ قرآن پاک کے نزدیک اس کے دوسر چشمے اور ہیں۔ ایک عالم فطرت۔ دوسرا عالم تاریخ۔ جن سے استفادہ کرنے میں عالم اسلام کی بہترین روح کا اظہار ہوا ہے۔ قرآن پاک کے نزدیک یہ شمس وقمر، یہ سالوں کا امتداد، یہ اختلاف ولیل ونہار، یہ رنگ وزبان کا فرق اور یہ قوموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد وشد۔ حاصل کلام یہ کہ یہ سارا عالم فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے۔ حقیقت مطلقہ کی آیات ہیں اور اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور و تفکر سے کام لے۔ یہ نہیں کہ بہروں اور اندھوں کی طرح ان سے اعراض کرے۔ کیونکہ جو کوئی اس زندگی میں اندھوں کی طرح ان آیات سے اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے وہ آگے چل کر بھی اندھا ہی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر بار بار توجہ کی اس دعوت کے ساتھ ساتھ جس کی قرآن مجید نے تعلیم دی، جب مسلمان رفتہ رفتہ اس حقیقت کو پا گئے کہ کائنات میں روانی اور حرکت ہے وہ متناہی ہے اور اضافہ پذیر۔ تو انجام کار یونانی فلسفہ کی مخالفت پر، جس کا اپنی حیات ذہنی کی ابتداء میں انہوں نے بڑے ذوق وشوق سے مطالعہ کیا تھا، اتر آئے شروع شروع میں تو انہیں اس امر کا احساس نہیں ہوا کہ قرآن مجید کی روح فلسفۂ یونانی کے منافی ہے۔ اور اس لئے حکمت یونان پر اعتقاد کرتے ہوئے انہوں نے قرآن پاک کا مطالعہ بھی فکر یونانی ہی کی روشنی میں کیا۔ لیکن قرآن مجید کا زور چونکہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر ہے اور حکمت یونان کا حقائق کے بجائے نظریات پر۔ لہذا ظاہر ہے کہ یہ کوششیں ایک نہ ایک دن ضرور ناکام رہتیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ اسی کوشش کی ناکامی تھی جس کے بعد اسلامی تہذیب و ثقافت کی حقیقی روح برسر کار آئی حتیٰ کہ تہذیب جدید کے بعض اہم پہلوؤں کو دیکھئے تو ان کا ظہور بھی اسی کا مرہون منت ہے"[۵]

---

۴ Reconstruction of religious thought in Islam.

۵ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ص ۱۹۶، ۱۹۷۔ لاہور ۱۹۵۸ء

وہ مزید لکھتے ہیں :-

" قرآن پاک نے تاریخ کو " ایام اللہ " سے تعبیر کیا اور اسے علم کا ایک سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ اس کی ایک اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اقوام اور امم کا محاسبہ انفرادی و اجتماعی دونوں لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ انہیں اپنی بداعمالی کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جس کے ثبوت میں اس نے بار بار تاریخ سے استناد کیا۔"

علاوہ ازیں قارئین کو توجہ دلائی کہ نوع انسانی کے گذشتہ اور موجودہ احوال و شئون کے مطالعہ میں غور و فکر سے کام لیں۔

ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا ان اخرج قومک من الظلمات الی النور وذکرھم بایام اللہ ان فی ذلک لآیات لکل صبار شکور (ابراہیم)

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ۔ اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو صابر و شاکر ہیں۔ (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں۔

وممن خلقنا امۃ یہدون بالحق وبہ یعدلون۔ والذین کذبوا بآیاتنا سنستدرجھم من حیث لا یعلمون۔ (الاعراف ۱۸۱-۱۸۲)

اور ہماری مخلوق میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہو گا"

قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین (آل عمران)

تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گذر چکے ہیں۔ اور تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو۔ کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

وتلک الایام نداولھا بین الناس (آل عمران)

اور یہ دن ہیں کہ ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔

ولکل امۃ اجل فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون ٥ (الاعراف)

اور ہر فرقہ کے لئے موت کا ایک وقت مقرر ہے جب وہ آجاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔

علمی منتشر اکائیوں میں وحدت و ربط | علم کے صحیح مقصد کی طرف رہنمائی اور اسے مثبت تعمیری و مفید اور ذریعہ یقین بنانے کے سلسلہ میں بعثت محمدی اور دعوت اسلامی کے رول کی اس سے زیادہ اہمیت اور قدر و قیمت ہے۔ جو اس نے علمی تحریک کی فعالیت و وسعت کے سلسلہ میں ادا کیا ہے۔

علم کی کڑیاں بکھری ہوئی بلکہ بسا اوقات متضاد تھیں۔ علم طبیعات و حکمت دین سے برسرِ پیکار تھے حتیٰ کہ ریاضی وطب جیسے معصوم علم کے ماہرین بھی بعض اوقات سلبی والحادی نتیجے نکالتے تھے چنانچہ یونان کے علماء جنہوں نے صدیوں تک فلسفہ و ریاضیات میں اپنا امتیاز قائم رکھا تھا۔ یا تو مشرک تھے یا ملحد تھے۔ اور یونان کے علوم اور مدارس فکر دین کے لئے خطرہ اور ملحدین کے لئے سند اور نمونہ بنے ہوئے تھے۔ اس صورت حال میں یہ اسلام کا بڑا احسان تھا کہ اس نے ایسی وحدت قائم کی جو تمام علمی اکائیوں کو مربوط کر دیتی تھی اور اس کے لئے ایسا کرنا اس لئے آسان ہوا کہ اس کا علمی سفر صحیح نقطۂ آغاز سے آغاز ہوا تھا۔ اس لئے اسے اللہ پر ایمان، اس سے مدد طلبی اور اس پر اعتماد کے ذریعہ اور اقرأ باسم ربک الذی خلق کی تعمیل میں شروع کیا تھا۔ اور آغاز کی صحت اکثر اوقات انجام کی صحت و خیریت کی ضمانت ہو جاتی ہے۔ اسلام نے قرآن و ایمان کے فیض و فضل سے ایسی وحدت کا انکشاف کیا جو تمام وحدتوں کو مربوط کر دیتی ہے اور وہ وحدت اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت ہے جس کے بارہ میں اللہ نے اپنے مومن بندوں کی تعریف کی ہے۔

و یتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ سبحانک فقنا عذاب النار۔ (آل عمران ۱۹)

اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار تو نے یہ (سب) لایعنی نہیں پیدا کیا ہے۔ تو پاک ہے سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

زمانہ ماسبق میں کائناتی وحدتیں (یعنی اس کے مظاہر اور حوادث و تغیرات) انسان کو متضاد نظر آتے اور اسے حیرت و اضطراب میں ڈالتے تھے۔ اور کبھی کفر و الحاد اور خالق عالم اور مدبر کائنات کے اوپر طعن و اعتراض تک پہنچا دیتے تھے۔ اسے دیکھتے ہوئے ایمان و قرآن پر مبنی "اسلامی علم" نے دنیا کو ایسی وحدت عطا کی جو کائناتی وحدتوں کو جمع کرتی ہے اور وہ اللہ کا غالب ارادہ اور اس کی حکمت کاملہ ہے۔

ایک بڑے جرمن عالم ہیرالڈ ہوفڈنگ اس وحدت کی دریافت اور انسانی زندگی اور علم و اخلاق کے تاریخی سفر میں اس کے مؤثر کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ہر مذہب کا ایمان توحید پر ہے جس کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے کی علت وجود ایک ہی ہے (اس فکر سے لازمی طور پر پیش آنے والی مشکلات سے قطع نظر) ایمان و اعتقاد فطرت انسانی پر بڑا مفید اور اہم اثر مرتب کرتا ہے۔ اور اس کے ماننے والوں کے لئے یہ عقیدہ رکھنا آسان ہو جاتا ہے کہ (بعض اختلافات و تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے) عالم کی تمام چیزیں ایک وحدت میں منسلک ہیں۔ کیونکہ علت کی وحدت، قانون کی وحدت کا بھی تقاضا کرتی ہے۔

ازمنہ وسطیٰ کے دینی فلسفہ نے کثرت میں وحدت کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا جس سے

غیر مہذب انسان طبعی مظاہر کی کثرت کے سبب اس سے غافل تھا۔ اور اس کثرت کے مشاہدہ میں اس لئے غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ان میں ربط ذاتی پیدا کرنے کا کوئی سررشتہ نہ تھا "

مغرب کی بیداری اور علم و تہذیب کے نئے دور کے آغاز میں اسلام کا حصہ

رابرٹ بریفالٹ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اس کے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو

وہ آگے چل کر لکھتا ہے :۔

" صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئیں "

اکثر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ فکر یونان کے احیاء کا نتیجہ تھی۔ مشہور مورخ ایس جی ولیس نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ موجودہ دنیا کو قوت اور علم کی روشنی یونان سے ہی ملی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

" جس علم کی ابتدا کرنے کے بعد اسے یونانیوں نے خیرباد کہہ دیا تھا اسے ایک نئے زاویہ اور نئے جوش و خروش کے ساتھ عربی ذہن نے نظم و ترتیب کے ساتھ اپنا موضوع بنا لیا۔ اگر یونانی حقیقت کے سائنسی طریقہ انکشاف کے باپ تھے تو عرب اس کے مربی تھے جنہوں نے انتہائی صاف گوئی آسان اور سہل تشریحات باقاعدہ اور جچے تلے الفاظ اور جامع تنقید سے اسے سنوارا تھا۔ یہ صرف عرب تھے نہ کہ لاطینی جن سے جدید دنیا کو علم اور قوت کا تحفہ حاصل ہوا ہے "

قدیم دنیا میں مسلمانوں کا علمی تفوق، اور مفید اور تجربی علوم میں ان کی قیادت

میں اپنے مطالعہ کی روشنی میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ مسلمانوں نے صرف عظیم الشان اور وسیع سلطنتوں کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ ایک زمانہ میں وہ دنیا کی تمام اقوام پر علم و فضل میں بھی فائق تھے۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جو حصول علم کے شوق، اس کی بے لوث خدمت اور مختلف علوم میں بیش بہا تصنیفات کے لئے ممتاز رہے ہیں۔ قرن اول کے ائمہ، محدثین اور فقہا و مجتہدین سے قطع نظر (جن کی مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملتی) مسلمانوں نے دینی اور دنیاوی علوم میں ایسے مفکرین اور مصنفین پیدا کئے جن کا مقابلہ دوسری قوموں کے بڑے سے بڑے عالم سے کیا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں نے اپنے تحصیل علم کا دائرہ صرف مذہبی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہوں نے جغرافیہ، طبیعات، نباتات، ہندسہ، طب، کیمیا۔ فلسفہ، تاریخ و مذاہب و تمدن جیسے علوم کی خدمت بھی کی۔ ان کے اکثر علماء نے صدیوں تک علوم و فنون میں دنیا کی رہنمائی کی ہے۔ اور کبھی نہ مٹنے

والے نقوش چھوڑے ہیں۔

یہاں صرف چند علماء کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کیونکہ کسی طویل تعارف کے لئے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔

مسلمان موجدین فن اور ماہرین علوم | الخوارزمی (م ۸۵۰/ ۲۳۶) نے سب سے پہلے عالمی جغرافیہ پر کتاب لکھی اور پھر محمد بن محمد الادریسی (م ۱۱۵۳/ ۵۶۰) نے "الممالک والمسالک" میں عالم اسلام کے تجارتی راستوں کو نقشہ جات کے ساتھ وضاحت سے بیان کیا۔ ابن الہیثم (م ۱۰۳۹/ ۴۳۱) نے تقریباً دو سو کتابیں تصنیف کیں جن میں ۴۴ علم ہندسہ اور ۵۸ انجینئرنگ کے موضوع پر تھیں۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے اسوان ڈیم کی تجویز پیش کی۔ اور علم بصارت میں مفید انکشافات کئے۔ اس نے اپنی کتاب المناظر میں بصری ادراک کے سلسلہ میں یہ نظریہ پیش کیا کہ کسی شئے کی بصارت اس سے ٹکرا کر واپس آنے والی شعاعوں پر منحصر ہے

محمد بن موسیٰ الخوارزمی (م ۸۵۰/ ۲۳۶) نے علم ہندسہ میں ایک سے نو تک اعداد کے بعد صفر کا اضافہ کیا۔ اور سب سے پہلے اعداد کی حیثیت کا تعین کیا۔ الخوارزمی نے ہی الجبر (الجبرا) ایجاد کیا۔

البتانی (م ۹۲۹/ ۳۱۷) جسے مغرب البیٹگنی اور البا طینوس کے نام سے یاد کرتا ہے عظیم عرب ماہر فلکیات تھا جس نے گہن کی کجی کا بالکل صحیح اندازہ لگایا۔ شمسی سال کی مدت، موسموں کی تبدیلی اور سورج کے اوسط مدار کا پتہ چلایا۔ اور بطلیموس کے اس نظریہ کی تردید کی کہ سورج کا مدار غیر متحرک ہے۔

ابوبکر محمد الرازی (م ۹۳۲/ ۳۱۱) جسے مغرب نے ریزز کا نام دے رکھا ہے عہد وسطی کا سب سے بڑا طبیب ہونے کے ساتھ عظیم فلسفی اور ماہر کیمیا بھی تھا۔ اس نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف الحاوی میں یونانی، مصری، قدیم عرب اور ہندوستانی طب کا جائزہ پیش کیا۔

ابن البیطار (م ۱۲۴۸/ ۶۴۶) اپنے زمانہ میں عظیم ترین ماہر ادویات تھا۔ اس نے اپنی دو مشہور تصانیف "المغنی فی الادویۃ" اور "الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ" میں مختلف بیماریوں کے علامات بیان کئے ہیں۔ اور حروف تہجی کے اعتبار سے تقریباً چودہ سو حیوانات، نباتات اور معدنیات کا تفصیلی تذکرہ خود اپنے یا دوسرے ۱۵۰ ماہرین کے مشاہدات کی بنا پر پیش کیا ہے۔

بوعلی سینا (م ۱۰۳۷/ ۴۲۸) جسے مغربی دنیا آوی سینا کے نام سے جانتی ہے نے فلسفہ کے موضوع پر القانون فی الطب اور نفسیات کے موضوع پر احوال النفس تصنیف کی۔ اب تک اس کی ۲۳۱ تصنیفات کا انکشاف ہو چکا ہے اور ۱۱۱ دوسری کتابوں کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسی کی لکھی ہوئی ہیں۔ طب میں اس کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے اس کی کتاب منظر عام پر آنے کے بعد تقریباً پانچ سو برس تک یعنی سترھویں صدی کے اختتام تک اپنے موضوع پر سب سے مستند کتاب سمجھی جاتی تھی۔ علم کے ان درخشندہ ستاروں میں ابن خلدون (م ۱۴۰۶/ ۸۰۸) بھی شامل ہے جو دنیا کا سب سے پہلا ماہر سماجیات ہے اور جس نے انسانی سماج کو رخ دینے والے قوانین تلاش کرنے کی توجہ دلائی اور مغرب کے

فلسفی کا مٹی سے ۵۰۰ سال پہلے سماجی علوم کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ دنیائے علم و فن ابو ریحان البیرونی (م ۴۴۳/۱۰۵۱) کی سعی بھی مشکور رہی ہے۔ جیسے طبیعات ما بعد الطبیعات، علم الادویہ، کیمیا، جغرافیہ اور تاریخ پر یکساں مہارت حاصل تھی اس نے اور دوسرے مسلمان سائنس دان مثلاً ابن الہیثم نے موجودہ سائنسی تحقیقات کی بنیاد ڈالی تھی۔

علم کی تاریخ کا سب سے بڑا مغالطہ اور تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ

اس مقالہ کے اختتام سے پہلے میں آپ کی توجہ اس بنیادی حقیقت کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ انسان اپنی ذات سے علم کا نہ تو مرجع ہے اور نہ مصدر۔ وہ صرف اللہ کی مرضی کو پورا کرنے والا نائب یا نمائندہ ہے۔ قرآن مجید نے حضرت آدم ؑ کو تعلیم اسماء (جو علم کی بنیاد ہے) کا ذکر ان کے زمین میں خلافت الٰہی کے منصب پر سرفراز ہونے کے تذکرہ کے بعد اور اسی سیاق و سباق میں کیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے علم کا استعمال خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے کرنے پر مامور تھے علم کی تاریخ بلکہ تاریخ عالم کا یہ بہت بڑا المیہ تھا۔ جو انسان نے فراموش کر دیا۔ کہ وہ خالق کائنات کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اسے اس دنیا کی امانت سپرد کی گئی تھی۔ مالک اور آقا بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔ کہ وہ زمین کے اوپر اور اس کے اندر پائے جانے والے خزانوں کو اپنے ذاتی، قومی، نسلی اور طبقاتی مفاد کے لئے یا برتری سیاسی حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔ انسانیت کی تاریخ اور علم کے لئے وہ منحوس ترین دن تھا۔ جب اس نے تباہی کے اس راستہ کا انتخاب کیا۔ صرف یہ احساس کہ انسان اس دنیا کا مالک ہونے کے بجائے خدا کا خلیفہ اور نائب ہے۔ اسے صراطِ مستقیم پہ قائم رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ اس حقیقت کا عرفان ہی اسے من مانی کارروائی کرنے میں مانع ہو سکتا ہے۔

علم کا اس کے مالک سے رشتہ منقطع ہونا واقعۃً بہت بڑا فتنہ ہے انسان نے علم تو حاصل کر لیا لیکن اس کے ذہن نے علم کے خالق کو فراموش کر دیا۔ آج دنیا تباہی کے دہانہ پر کھڑی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے سیاستدانوں اور عالموں اور ان تمام لوگوں سے معذرت کے ساتھ جو مغرب کی تہذیب پر نازاں ہیں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ انسان کا اپنے آپ کو خود مختار اور اس دنیا کا حقیقی مالک سمجھ لینا ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ انسان جب اپنی ابتدا کو بھول گیا تو اسے اپنی حیات کا مقصد اور انتہا بھی فراموش ہو گئے۔ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ انسان اس وقت تک اس دنیا کے حالات کو سدھارنے میں ناکام رہے گا جب تک وہ یہ تسلیم نہ کرے گا کہ وہ صرف ایک مخلوق ہے جسے اپنے خالق کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی بھی کرنی ہے۔ اسے یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ اسے جتنا بھی علم حاصل ہوا ہے وہ اس کے ایک سرے پر کھڑا ہے اور دوسرے پر علم کا خالق۔ اس کا آقا اور مالک موجود ہے۔ اگر یہ رشتہ منقطع ہو گیا تو انسان اپنی تخلیق کا مقصد بھی فراموش کر دے گا۔ اور ہماری دنیا ایک میدانِ جنگ اور انسانیت کے ایک ایسے مذبح میں تبدیل ہو جائے گی جہاں غلامی کی بے شمار اقسام بے انصافیوں اور انسانیت کی تذلیل کا دور دورہ ہو گا ؛

گاہے گاہے باز خواں

بلخ اور غزنی

یعنی

عظمتوں کے مزار پر نگاہِ عبرت و حسرت

(عبرت و موعظت، فکر و نظر اور احساسِ زیاں کی انگیخت)

مولانا سمیع الحق ۔ مدیر "الحق"

> غیرت و حمیت کی سرزمین افغانستان پر موجودہ روسی یلغار اور مجاہدین کی زبردست تحریکِ مزاحمت و جہاد کے جنیوا معاہدہ تک آٹھ سال مکمل ہو گئے ۔ کتنی پیش رفت ہوئی ؟ عالمِ اسلام نے اس پر کتنی توجہ دی ؟ اور مجاہدین کی یہ جنگ عالمِ اسلام کے دفاع کی جنگ ہے ؟ یہ موضوع اپنی جگہ اہم ہے ، مگر ایسا کیوں ہوا ؟ روسیوں کو افغانستان میں جبر و استبداد اور بہیمیت کا اس قدر مظاہرہ کرنے کے مواقع کیوں اور کیسے مہیا ہوئے ؟ اس کے محرکات ، پس منظر ، عوامل اور اسباب کیا تھے ؟ روس کے لیے افغانستان میں در آنے کی راہ کیونکر ہموار ہوئی ؟ اس کی علامات ، خطرات اور طریقہ ہائے واردات معلوم کر کے اپنے ملک اور ملتِ مسلمہ کے مستقبل پر بھی مصلحینِ امت کے لیے غور و فکر کی نئی راہیں کھل سکتی ہیں ۔ اس مقصد کے پیشِ نظر جناب مدیر الحق مولانا سمیع الحق مدظلہ کے ستمبر ۸۸ء میں سفرِ افغانستان کی تحریر کا ایک اہم حصہ پیشِ خدمت ہے جس میں افغانستان کے موجودہ حالات اور عملاً جہاد کے حوالے سے ماضی و حال کے آئینے میں عبرت و موعظت اور فکر و نظر کی جلا کا کافی سامان اور نورِ بصیرت موجود ہے ، اور اس سے ان شاء اللہ کارواں کو احساسِ زیاں کی انگیخت ہوگی ـــــــ (عبد القیوم حقانی)

آج ۲۲ جون ۸۸ء ہے اور عالمِ اسلام کے بطلِ جلیل ، مجاہدِ اعظم سلطان محمود غزنویؒ کے شہر میں جانے کا پروگرام ہے ۔ غیور مسلمانوں کی سرزمین افغانستان میں ہماری آمد کا دسواں دن ہے ۔ برادرِ محترم قاری سعید الرحمٰن صاحب راولپنڈی بھی اس سفر کے ساتھی ہیں ـــــ بابر اور ابدالی کے دیس ، مجاہدِ اسلام محمود غزنویؒ کے وطن افغانستان کی زیارت کی دیرینہ آرزو تھی ۔ ہمارے پڑوس کے یہ مغربی خطے کبھی ہمارے میراثِ علم و حکمت کے علمبردار و امین تھے ۔ دین و دانش کی شعاعیں ادھر ہی سے مشرق کو مالا مال کرتی تھیں ۔ پھر غلام ہندوستان کے زمانہ میں بھی یہی خطہ اور غیور افغانوں کا چھوٹا سا ملک حریت اور جہادِ آزادی کا مدرسہ بنا ہوا تھا ۔ اور گویا ایشیا کا یہ بلجیم کمزور قوموں کی قوتوں کا معیار اور اپنی آزادی کا آپ محافظ رہا ۔ یہ جیالے افغانوں کا وطن ہے جنہوں نے عظیم برٹش امپائر کے استعماری عزائم کو مدتوں خاک میں ملائے رکھا ۔ جہاں

خلافتِ راشدہ کے ابتدائی ادوار ہی میں اسلام کا نور پہنچا اور بحیثیت قوم پوری ملتِ افغانیہ نے اسلام کو لبیک کہا۔ مغرب
پورے جاہ و جلال کے ساتھ بھی اسے غلام نہ بنا سکا اور ایک عرصہ تک مغربیت کی پوری زور آزمائی کے باوجود اسلامی
شریعت کی روح یہاں کارفرما رہی مگر آج کا افغانستان اتنے ہی جوش اور ولولے سے مغرب کی مادہ پرست تہذیب سے
بغلگیر ہو رہا ہے، اور مشرقی یورپ کے راستے سے آئی ہوئی مغربیت گویا اپنی سحر کاریوں میں دو آتشہ ثابت ہو رہی ہے۔
مغرب سے مقابلہ آسان تھا مگر مغربیت عالمِ اسلام کے لیے اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ثابت ہوئی۔ کس کی تاب
تھی کہ اس کی چکا چوند کے سامنے ٹھہر سکتا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ قیامت سے پہلے اس تہذیب ہی کی کوکھ سے
نکلنے والا فتنہ دجال ہی تو ہوگا جو پورے عالمِ اسلام کو دامِ تزویر میں لے لے گا۔

پچھلے دس دنوں میں ہم نے کابل اور اس کے گرد و نواح میں بہت کچھ دیکھا۔ شمال مغرب میں سینکڑوں میل
دور ترکستان جانا ہوا۔ مزار شریف (جو حضرت شاہِ ولایت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے) کی
زیارت ہوئی۔ اور اس سے ذرا دور روسی سرحد کے سایہ میں وہ ویرانہ بھی دیکھا جو کبھی بلخ کے نام سے عالمِ اسلام کا مرکز
علم و سیاست بنا ہوا تھا۔ جہاں سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹ کر عالمِ اسلام کے دل و دماغ کی حیاتِ نو کا ذریعہ
بنتے تھے۔ اس کے جنوب میں دریائے آمو (جیحون) واقع ہے۔ اس علاقہ میں آریائی تہذیب و تمدن پروان چڑھی،
زردشت کی مذہبی آتش پرستی نے یہاں رواج پایا اور اس دور کا سب سے بڑا آتشکدہ یہیں بنایا گیا۔ تاریخ
کے ہر دور میں بلخ نے اپنے اثرات چھوڑے اور بلخ، باکتر، بان نجدی، باختر، بادھیکا، باختل، پامیک، بلخ بامی،
زراسپ اسی کے مختلف نام رہے۔ پھر عہدِ فاروقی میں اسلامی افواج ترکنازیوں کا مرکز بنا۔ خراسان کے بھی
خطے تھے جو حضرت فاروقِ اعظمؓ کے زمانہ ۲۴ھ میں ان کے بھیجے ہوئے ایک سالار حضرت احنفؓ ابن قیس اور
اُن کے جانباز ساتھیوں ربعیؓ بن عامر التمیمی، عبداللہؓ بن ابی عقیل الثقفی، ابن ام غزالؓ الہمدانی جیسے بہادر شاہسواروں
کی آماجگاہ بنے۔ شہنشاہِ فارس یزدگرد جو بلخ میں پناہ لیے ہوئے تھا یہیں سے خائب و خاسر ہوکر دریائے جیحون
کے راستہ خاقان کی حکومت میں بھاگ نکلا اور حضورؐ کے ایک بہادر سپاہی حضرت احنفؓ کے ہاتھوں
نیشاپور سے طخارستان تک اسلام کا عَلَم لہرانے لگا۔ یہیں حضرت احنفؓ کے ۲۴ ہزار سربکف مجاہدین نے
خاقان کے عزائم خاک میں ملا دیئے اور اسے شکستِ فاش اٹھانی پڑی۔ قلمروِ اسلام میں آنے کے بعد بلخ سامانی
غزنوی، سلجوقی اور صفاری سلاطین کی توجہات کا مرکز بنا اور بسا اوقات پایۂ تخت رہا۔ اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس
شہر میں ایک ہزار دینی دار العلوم، بارہ سو جامع مسجدیں اور بارہ سو حمام آباد تھے۔ علم و ہنر، سیاست و حکمت، طب و
فلسفہ، ادب و تصوف میں نابغہ روزگار شخصیتیں اِن خطوں نے اسلام کو دیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عیش و عشرت میں ڈوبی
ہوئی قوموں کے لیے جو تازیانے مقرر ہیں وقفہ وقفہ سے وہ بھی برستے رہے اور بلخ بائیس ۲۲ مرتبہ بہت بڑی تباہی درتخریب

کا نشانہ بنا۔ یہاں تک کہ ۱۲۲۰ء مطابق ۶۱۷ھ میں چنگیز خان کی فوجیں آئیں اور وحشت و بربریت میں تمام بربادیوں کو مات کر گئیں۔ آج پھر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، مگر اس کے اُس پار بُخارا اور سمرقند، خوارزم اور فرغانہ اُس دور کی سُرخ چنگیزیت کے پنجۂ غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔

الغرض بلخ قبۃ الاسلام اور اُم البلاد نے اسلام کے عہدِ عروج میں ایک مثالی کردار ادا کیا۔ اس سرزمین کے کنارے دریائے آمو (جیحون) بہتا ہے جو آج اس سرخ چنگیزیت کے سامنے سراب کی مانند ایک لکیر بنی ہوئی ہے اور اس سے ذرا دُور ہٹ کر وہ دریا بہتا ہے جس کا کبھی ماوراء النہر کے نام سے پوری اسلامی دُنیا کے علم و حکمت کے ایوانوں میں غلغلہ رہا ہے۔ یہاں کے علماء اور فقہاء اپنی فقاہت و حکمت اور علمی تبحر کے لحاظ سے عالمِ اسلام کے لیے ایک ممتاز مکتبِ فکر بن گئے تھے۔

اب ذرا چشمِ تصور سے دریا کے اس پار نظر دوڑائیے! وہ سامنے بخارا اور سمرقند ہے، امام بخاریؒ کا مدفن جن کی کتاب "صحیح بخاری" مسلمانوں کے ہاں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ امام ترمذیؒ کی بستیاں صاحبِ ہدایہؒ ان علاقوں ہی میں فقہ کے دریا بہاتے تھے۔ یہاں سے حدیث اور فقہ کو تابندگی اور زندگی ملتی رہی۔ آج بھی ہماری گردنیں ان کے احسانات میں دبی ہوئی ہیں، ہم نے جو کچھ پایا ان ہی علاقوں سے پایا، یہ اسلام کے امین تھے مگر آہ! اب وہاں کیا ہے؟ اپنے جلیل القدر امام بخاریؒ کا مدفن، ترمذیؒ کا مولد اور صاحبِ ہدایہؒ کا منشاء، شاید وہاں کے باسیوں میں سے بھی کسی کو معلوم نہیں، ہم پردیسیوں کے تو وہاں نزدیک جانے سے بھی پر جل جائیں گے۔ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔

—— تو بلخ کے کھنڈرات پر کھڑے ہو کر خوب آنسو بہائیے، اور سُرخ سرحد کے اس پار اپنی عظمتوں کے مزار مزار پر ایک نگاہِ حسرت ڈالیے! وہ دیکھئے آج بخاریؒ اور ترمذیؒ کی سعید روحیں کتنی بے چین ہیں، ان کی نوجوان نسلوں کو شاید اسلام سے اتنا تعلق ہو کہ ہمارے آباؤ اجداد مسلمان کہلاتے تھے، بڑے بوڑھے اپنے ایمان کی دولت بچانے کی خاطر سب کچھ لٹا کر دوسرے ملکوں میں پناہ گزین ہو گئے اور زیادہ تر روسی استبداد کا نشانہ بن گئے —— صد حیف کہ کیسی کیسی متاعِ بے بہا ہمارے ہاتھوں شامتِ اعمال کی وجہ سے لُٹ گئی —— اور سرحد کے اس پار یہ بلخ ہے، یہ بھی تو اس وقت عہدِ ماضی کا ایک شکستہ ساز رہ گیا ہے، یہاں کے باسیوں میں سے اکثر کو معلوم ہی نہیں کہ آج بھی اس کے گرداگرد اور اہم چوکوں کے قریب علم و حکمت کے کیسے کیسے خزانے مدفون ہیں، کبھی یہاں کے طاق و ایوان قال اللہ اور قال الرسول سے گونجتے تھے، اور اب زوال پذیر قوموں کی طرح اونگھتے ہوئے اپنی عظمت سے بے فکر باشندوں کی پناہ گاہیں ہی ہیں۔ کبھی ہر گلی مدرسہ تھی اور ہر گھر خانقاہ، اولیاء کا ہجوم اور ائمۂ عصر اساطینِ علم و فقہ کا اژدہام —— اور آج نہ کوئی مدرسہ ہے نہ خانقاہ، نہ کوئی عالم معلوم نہ کسی اُستاد کا چرچہ۔ اس لیے

حال کی تلاش سے کیا فائدہ، ماضی کے تجسس میں نکل جائیے۔ قلب و نظر کی تسکین کا کچھ سامان شکستہ کھنڈرات ہی سے مل سکے گا، ماضی سے کیے ہوئے حال نے تو بدحالی کے یہ دن دکھائے۔

ــــــــ ذرا دیکھئے وہ شیخ الاسلام سلطان احمد خضرویہؒ کی ٹوٹی پھوٹی قبر ہے جو ۲۴۰ھ میں ابراہیم بن ادہمؒ، بایزید بسطامیؒ اور امام حاتم اصم کے معاصر تھے تصوف اور معرفت کی کتابیں ان کے حالات عالیہ سے لبریز ہیں۔ کرامت اور علو مرتبت کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات جہاں قدم پڑتا وہاں زمین سبزہ اُگا دیتی، مگر یہ کون سی بڑی بات ہے، یہ لوگ تو مُردہ دلوں کو حیاتِ جاودانی بخشتے تھے، خاک اُن کی نظر سے کیمیا ہو جاتی تھی۔ ذرا دائیں جانب ہٹ کر اُن کی باکباز رفیق حیات خاتون کا مزار ہے۔ چاروں طرف دیواروں اور گنبد سے ڈھکا ہوا، اندر جانے کا راستہ نہیں۔ اس لیے کہ یہ اُس زمانہ کی خاتون تھیں جو عفت و حیا، خوفِ خدا اور ایمان و یقین کا پیکر ہوا کرتی تھیں، جاتے جاتے وصیت کر بیٹھیں کہ میری قبر کو چاروں طرف سے عمارت میں ڈھانک دیا جائے کہ بعد از مرگ کسی غیر محرم کو قبر پر بھی نگاہیں ڈالنے کا موقعہ نہ ملے۔ بے شک یہ اُن مومنات قانتات میں سے ہوں گی جن کی پاکیزگیوں کو اللہ کریم نے قرآن میں سراہا ہے، وہ رونقِ محفل بننے والوں میں سے نہ تھیں۔ بلا شبہ اُس زمانہ کی خواتین مرد سے مساوات کی قائل نہ تھیں، مگر ایسی صفات کی بدولت اللہ کریم انہیں نہ صرف مساوی بلکہ مردوں سے بڑھا بھی دیتا تھا۔ ولیس الذکر کالانثیٰ۔

شیخ الاسلام خضرویہؒ کے مزار سے ذرا جانب مشرق چلے جائیے یہاں صالحین کے ایک جھرمٹ میں خواجہ ایوب انصاریؒ آسودۂ استراحت ہیں، یہ اپنے وقت کے ممتاز و معروف عالم و عارف خواجہ عبید اللہ انصاریؒ کے والد ماجد ہیں، خود بھی بڑے ولی اور عارفِ کامل خواجہ عبید اللہ کا مزار ہرات میں ہے ـــــ ع۔ این خانہ ہمہ آفتاب ہیں، اور دیگر قبور کے نشانات ہیں، کچھ بوسیدہ کتبے جو پڑھے نہیں جا سکے مگر ہماری مجد و شرف کی کیا کیا نشانیاں خاک کے ان ڈھیروں میں پنہاں ہوں گی۔ وہاں سے آگے جائیں تو سڑک چھوڑ کر قاضی ابومطیع بلخیؒ کے مزار پر حاضری دیں، یہ اپنے وقت کے ممتاز عالم قانونِ اسلامی اور شریعت کے امام تھے۔ نام عبدالحکیم بن عبداللہ، کنیت قاضی ابومطیع منظوم کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے تلمیذ اور قاضی ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے رفیقِ طریق تھے، تاریخ وفات اشعار میں "جہان علم" ۱۹۹ قمری ہجری لکھی ہے۔

اب ہمارا برادر محترم ترکستانی قائد جسے مزار شریف کے متولی و خطیب اور وہاں کے دیگر علماء نے ہمارے ہمراہ کیا ہے۔ ہمیں فقیہ امت ابو اللیث سمرقندی کے مزار پر لے گیا۔ فقیہ ابوجعفر ہندوانی کا یہ قابل فخر شاگرد نصر بن محمد بن احمد سمرقندی فقہ حنفی کا اہم ستون ہے۔ اپنے وقت میں امام الہدیٰ کے لقب سے علمی دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ فقہ حنفی اور دیگر علوم میں بے شمار کتابیں تصنیف کیں، کتب تذکرہ میں ان کی کئی کتابوں تنبیہ الغافلین، البستان، شرح الجامع الصغیر، النوازل والعیون والفتاویٰ، خزانۃ الفقہ، مقدمہ فی الفقہ، تفسیر القرآن

فتاوی ابواللیث وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ علمی اور فقہی حلقوں میں آج بھی اُن کے فتاویٰ اور اقوال کی بازگشت سُنائی دیتی ہے، شہر بلخ سے باہر ۳۷۶ھ مطابق ۹۸۵ء یا ۳۷۳ھ یا ۳۷۵ھ یا ۳۹۳ھ میں وفات پائی۔ ان کی عظمتوں کے سامنے گردن سرنگوں ہو جاتی ہے کہ آج بھی رہا سہا جو کچھ مسلمانوں کے پاس ہے ایسے ہی بزرگوں کی محنتوں کا ثمرہ ہے ــــ مزار کے شکستہ تختہ پر ایک اور قبر ہے جو کسی عالم اور حبرِ اُمت ہی کی ہو گی، مگر نام و نشان نامعلوم، فقیہ ابواللیث کے سرہانے کتبہ بھی گردشِ ایام کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گیا ہے، اس پر درا ایک سطریں باقی ہیں جو مشکل سے پڑھی جاتی ہیں۔ اپنی عظمت کے آثار کی حفاظت غیور قوموں کا شیوہ ہے مگر خدا معلوم افغانستان کی حکومت کبھی ان آثار کی طرف توجہ بھی دے سکے گی یا نہیں! کلچر اور ثقافت کے جشنوں پر لاکھوں روپے اُڑانے والی قومیں اپنی اصلی تہذیب و تمدن کی بنیادوں کی طرف کم ہی متوجہ ہوا کرتی ہیں اور اپنے ماضی سے بے خبر ملکوں کے عجائب خانوں کی رونق فراعنہ کے آثار گوتم بدھ کے نقوش اور کنشک کے گھسے پھٹے باقیات ہی سے ہوتی ہے ــــ الغرض دونوں قبریں کھلے میدان میں اور بلخ کے اکثر مزارات کی طرح گوشۂ گمنامی میں بدعات و رسوم سے دُور مزارِ غریباں بنی ہوئی ہیں۔ اللہ کی شان جن لوگوں کی زندگی اتباعِ سُنت کی تلقین، ظواہرِ شریعت کی حفاظت اور بدعات و منکرات سے جہاد میں گذری عموماً اُن کی قبروں کو بھی اللہ کریم نے ان خرابیوں سے محفوظ رکھا۔ یہ ایک صلہ ہے کہ خالص اپنے رب کے ہونے والے بندوں کو دُنیا میں بھی مل رہا ہے۔

ایک اور سمت میں جائیے تو خواجہ عکاشہؓ کا مزار ہے، کہنے والوں نے کہا کہ ابراہیمؒ بن ادہم کے والد بزرگوار ہیں، خواجہ آب کشاں کے نام سے معروف ہیں۔ خواجہ آب کشاں ابراہیم ادہم کے والد ہوں یا نہ ہوں مگر اُس سلطانِ دُنیا و دین کو جسے اقلیمِ معرفت ابراہیم ادہم کے نام سے جانتی ہے، اسی علاقہ سے نسبت رہی، وہ یہاں کے فرمانروا تھے ــــ جب رات کو اپنی خوابگاہ کے اوپر کسی کی آہٹ سُنی تو پوچھنے پر کسی نے کہا کہ چھت پر اپنا گمشدہ اونٹ ڈھونڈ رہا ہوں، سلطانِ بلخ کو تعجب ہوا، پوچھا کہ شاہی خوابگاہ کی چھت اور اونٹ؟ جواب میں ایک ملکوتی آواز آئی کہ ارے غافل! تُو جب کمخواب اور اطلس کے زرّیں بستروں میں خدا کو ڈھونڈھ رہا ہے تو پر اونٹ کی تلاش تو اس سے کم تعجب خیز ہے ــــ تیر نشان پر لگ گیا، ابراہیم گھائل ہو گئے اور مُرغِ بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے تخت و تاج کو غیر فانی سلطنت، اقلیمِ عشق سے ٹکرا دیا، اب دل کے آئینہ میں اپنی برزخی منزل نگاہوں کے سامنے تھی جس میں نہ کوئی مُونس تھا نہ غمخوار، نہ لشکر و سپاہ کا ہنگامہ تھا نہ دولت و سلطنت کی جاہ و جلال ــــ سفر دُور دراز درپیش مگر زادِ راہ معدوم، ایک عادل اور قادر قاضی کی عدالت مگر نہ گواہ نہ وکیل ــــ پھر دُنیا کی اس چند روزہ حکومت اور شوکت کی کیا وقعت رہ سکتی تھی؟ مملکت خراسان کو خیر باد کہا، وسعتِ دل کی پنہائیوں میں گم ہو گئے ــــ ملک نیم شب کی حلاوتوں کے سامنے ملک نیمروز کی سرابی لذتوں کی کیا نسبت ــــ اور آج ابراہیم ادہم ایک

سلطان دا ہیر نہیں بلکہ عارفانِ طریقت کی نگاہوں میں سلطان دین سمرغ قافِ یقین، گنجِ عالمِ عزلت صدیقِ روزگار روزگار ہیں (عطارؒ نے) سونے چاندی کے خزانوں کو لات ماری شیخِ عراق جنید بغدادیؒ کی زبان میں مفتاح العلوم بن گئے اور علمِ حقیقی کے مخفی خزانوں کی کنجیاں ہاتھ آگئیں، اب قوت و جبروت سے لوگوں کے جسموں کو زیر نہیں کر رہے تھے بلکہ دلوں کی دنیا حکمرانی میں مل گئی۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ گذرنے والی رات کو مزار شریف میں ایک مجلس کے صدقے چشمِ تصور نے ابراہیم ادہمؒ کا دور گویا محسوس ہوتے دیکھا۔ یہ مجلس عشاء کے بعد روضۂ مبارک (منسوب بہ حضرت علیؓ) کے قدموں میں متولی کے حجرۂ خاص میں چند سراپا اخلاق و شرافت بزرگوں نے رات کے کھانے پر اپنے نووارد مہمانوں کیلئے منعقد کی تھی جس میں ایک بزرگ نے سراپا سوز آواز میں مولانا رومؒ کی مثنوی کا وہی حصۂ خاص لے کے ہمیں سنایا جس کا تعلق ابراہیم ادہمؒ کی صحرا نوردی سے تھا۔ اور سرزمین پر قصۂ زمین نے ایک خاص اثر پیدا کر دیا، چند لحظوں کے لیے ارد گرد سے بے خبر مسحور ہو کر عالمِ خیال میں اپنے آپ کو اس عہدِ شکوہ میں پایا کہ ابراہیم ادہمؒ گدڑی پہنے سوزِ الٰہی میں بادیہ پیمائی کر رہے ہیں، محبوبِ حقیقی کا متلاشی بلخ کے قریب دریائے جیحون کے کسی کنارے بیٹھا ہو گا کہ جدائی میں تڑپتی ماں یا بعض روایات کے مطابق دوست احباب تلاش کرتے وہاں پہنچے، ماں نے ابراہیمؒ کو اپنے فیصلہ پر سرزنش کی، ناز و نعمت اور امارت و شوکت کے مقابلہ میں اس فقر و غربت اور بیکسی پر افسوس کا اظہار کیا۔ ابراہیمؒ نے جو گدڑی کو پیوند لگا رہے تھے، اپنی سوئی دریا میں ڈال دی اور پھر یکایک ماں کے سامنے دریا کی مچھلیوں کو حکم دیا کہ مجھے سوئی چاہیئے، ہزاروں مچھلیاں منہ میں سونے کی سوئی لیے پانی میں ابھر آئیں۔ ابراہیمؒ نے سوئے پر نگاہِ حسرت ڈالتے ہوئے کہا مجھے اس کی کیا ضرورت! اس متاع کی تو میرے ہاں فراوانی تھی، مگر میں نے اسے سکون و اطمینان اور وصالِ حقیقی کی لازوال دولت کے بدلے ٹھکرا دیا ہے۔ اب مچھلیوں نے دوبارہ غوطہ لگایا اور ایک مچھلی منہ میں وہی سوئی لیے ہوئے ابراہیمؒ کے قدموں میں ڈال آئی، اور اس طرح ابراہیمؒ نے اپنی والدہ کو سمجھانا چاہا کہ اماں جان یہ سلطنت اچھی ہے یا توپ و تفنگ اور سیم و زر کے زور سے جو چند آدمیوں کے صرف جسموں پر قائم ہوتی ہے، یہ تو قلوب کی حکمرانی ہے — اور انسانوں پر ہی نہیں بلکہ حیوانات تک پر جاوی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے لیے تو دریاؤں کی مچھلیاں، صحراؤں کے وحوش اور فضاؤں کے پرندے بھی دعا گو رہتے رہتے ہیں کہ ان کے دم خم سے تو اللہ کے نام کا چرچا اور ان کی رونق سے کائنات آباد رہتی ہے ؎

ملک دل بہ پا چنیں ملک حقیر   رو بدو کرد و بگفتش کا مے امیر
باطنی جوئی بظاہر برمابست   ایں نشان ظاہرست ایں ہیچ نیست

یہ ابراہیم ادہمؒ کا قصہ تھا بارہا جس کے سننے کا اتفاق ہوا مگر رات کی مجلس میں سنانے والا مثنوی مولانا روم کا ایک دلدادہ تھا، پڑھنے کا عجب انداز، ڈوب کر سنا رہا تھا عجیب سوز و گداز اور لکھنے والا مولائے رومؒ ———

مولانا عبدالقیوم حقانی
فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ

اصلاح انقلاب امت اور نفاذ شریعت کا پہلا مرحلہ
علماء و مصلحین امت اور دینی قوتوں کیلئے ایک چیلنج

- ملکی حالات کا اجمالی جائزہ اور دین اسلام کا نظام عدل و قسط
- دینی قوتوں اور مذہبی طاقتوں کے اتحاد اور ایک انقلابی تنظیم کی ضرورت
- غلبہ اقتدار یا حزب اختلاف کی صورت میں نفاذ شریعت کیلئے بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ
- نفاذ شریعت کا واضح لائحہ عمل اور اس کے انقلابی نتائج
- آج تم جن کے پاؤں چھوتے ہو کل وہ تمہارے جوتوں کو بوسہ دیں گے

موجودہ دور میں جب ہم اپنے گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انفرادی طور پر جس شریعت کا نام لیا جاتا ہے عملاً اجتماعی طور پر دوسری شریعت نافذ ہوتی ہے۔ نام خدا کا لیتے ہیں کام شیطان کا کرتے ہیں اخلاقی تصورات اور قانونی تصورات میں تفریق کر دی گئی ہے۔ مسجد میں ایک خدا کی پرستش کی جاتی ہے مگر سلطنت کی خدائی کسی شخص یا پارلیمنٹ کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ اب تک معاشرہ اور ملک کے اجتماعی نظام میں جس قدر خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنی اجتماعی زندگی میں خود کو خدا کے بندے "اس کے غلام" اسی کی تقدیر میں جکڑے ہوئے اور اسی کے قوانین تاریخ اور نوامیس نفسیات کا پابند نہیں سمجھا۔ مسلمان کا مقام اس کے سوا کیا ہے؟ کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہدایت پر کاربند ہوں۔ اس کے تعلیمات اور احکام میں خود کو جکڑے رکھیں اور اس کے حدود حلال و حرام کی پابندی کریں دین اسلام اور شریعت اسی کا نام ہے۔ اسلام نے انسانیت کو انفرادی اور اجتماعی شریعت ایک دی ہے مسجد اور پارلیمنٹ کا خدا ایک بنایا ہے۔ اخلاقی اور قانونی ضابطوں کی شاخیں ایک بنیاد سے پھوٹتی ہیں۔

نفاذ شریعت کے نصب العین سے تو مسلمانوں کا تشخص قائم ہے اس سے ان کی زندگی ہے اس کے سوا ان کو زندہ رکھنے والی کوئی دوسری روح نہیں۔ اس مرکزی روح سے اگر مسلمانوں نے انحراف کیا تو ان کی شکل مسخ ہو جائے گی ان کا اعتقادی اور تہذیبی چہرہ بگڑ جائے گا ان کی دینی، روحانی اور سیاسی قوتیں مفلوج ہو جائیں گی ——— نفاذ شریعت ان کا

ضرورت قضایا کا حل اور ان کے لئے سرمایۂ اعزاز ہے مگر پھر بھی خود کو مسلمان کہلانے والے اپنے حقیر ذاتی مفاد کی خاطر جب جب اس سے کنی کتراتے اور فرار کی راہ اختیار کرتے ہیں تو انہیں اسلام کا نام لینے سے پہلے یہ کیوں سوچ لینے کا نہ سوجھا اب جب اسلام کا نام لیا ہے تو بات کو نبھانا اور نظام کو اپنا نا ہو گا چاہے اس میں جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

چالیس سال سے حکمرانوں اور سیاسی لیڈروں نے علی الاعلان یا مجبت کے عنوان سے پس پردہ فریضہ نفاذ شریعت سے مسلسل گریز کیا۔ نام شریعت کا لیا، نظریاتی اساس کا ڈھنڈورا پیٹا۔ اسلامی جمہوریت کا پرچم لہرایا۔ شریعت کے نظام عدل وقسط کے گن گائے۔ مگر یہ سب کچھ اپنے اقتدار کے تحفظ اور اپنے وجود کے استحکام کے لئے صرف نام تک محدود رہا۔ کام سے کسی کو کیا غرض؟

ایسی روش سے لادینیت پسند، مغرب پسند اور مفاد پرستوں کے گروہ کو خوب خوب فائدہ حاصل کرنے کا موقع ملا۔ شریعت کی اطمینان بخش "اسلامی ہیئت سیاسیہ" کا واضح تصور بھی پروپیگنڈے کے زور سے اور کچھ شریعت والوں کی اپنی روش اور بے اعتنائی سے عام لوگوں کی نظروں میں دھندلا کے رکھ دیا گیا۔ مارشل لار کی جبری اور غیر جمہوری فضا اس کے لئے مزید راس آئی ——— اور اب مسلم لیگ نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ——— شریعت کے علمبردار بھی بلکہ جمہوریت کے سایۂ عاطفت میں پناہ لینے میں عافیت سمجھنے لگے۔ اور پھر ظلم یہ کہ عورتوں سے کہا جاتا ہے کہ دوپٹے سر پر کرلو شریعت میں بے پردگی ممنوع ہے۔ چادر اور چار دیواری میں تمہاری ناموس کی حفاظت ہے اور دوسری طرف بے پردہ عورتوں کو سٹیج پر لا کر اور ان کی سیاسی عظمت تسلیم کر کے لاکھوں انسانوں کو بدسماعی اور بدنگاہی کا موقع فراہم کر دیا جاتا ہے۔

حیرت اور استعجاب اس پر ہے کہ حکومت سے تو خیر سے جب تک دل کے تارے اور موت کے فرشتے نہ دیکھ لے نفاذ شریعت کی توقع ہی نہیں رہی۔ مگر مذہبی اور دینی جماعتیں جن کا منشور بھی نفاذ اسلام کا ہے جب وہ عملاً مغربی لادین سیاست کے بے حساب برائیوں کے مزبلہ پر کھڑے ہیں اور اس پر صرف منشور کی طباعت اور اسلام سے انتساب کی حد تک اگر گلاب کے دو چار پھول لا کے رکھ بھی دیتے ہیں تو کیا اس سے غلاظت کا ڈھیر اور بدبودار مزبلہ چمن سے بدل جائے گا۔

موجودہ حالات میں اگر واقعۃً نفاذ شریعت مطلوب ہے اور تمہاری سیاست، تمہاری جماعت، تمہارے منشور اور تمہارے نعرے اس لئے ہیں کہ یہاں شریعت کا نظام عدل وقسط نافذ کر دیا جائے تو اسلام اور شریعت کو بطور نعرہ اپنی ضرورت پورا کرنے اپنے کار سیاست چلانے اور اپنی کرسی مضبوط کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ واقعۃً عملی ماحول معاشرہ اور ملک کے قانون کے طور پر اولاً اپنی انفرادی، اجتماعی، جماعتی اور سیاسی زندگی اور اپنے مساعی کے اہداف میں نافذ کرنا ہو گا تب کاروبار مملکت میں نفاذ کی منزل قریب تر ہو سکے گی۔

اسلام صرف نام رٹنے سے نہیں آئے گا بلکہ اسلامی علوم اور معارف اور اسلام کے اصول حکمت کا مختلف احوال پر انطباق کرنا ہو گا۔ مختلف ممالک، مختلف زمانوں، اداروں اور مروجات کو جانچ پرکھ کر ان سے اجزائے حق کا چھانٹنا، ان کی

تزدیج اور ان کو اجاگر کرنا ہوگا۔ اور اپنے گردوپیش کی سوسائٹی میں اجزائے باطل کو ختم کرنا ہوگا۔

اس کے لئے اولاً بنیادی طور پر دین پسند قوتوں اور مذہبی طاقتوں کو نفاذ شریعت کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہوگا۔ پھر نہایت ہی حزم و احتیاط سے اس مجموعہ سے علمی و دینی اور قانونی و سیاسی امور کے ماہرین کی ٹیم منتخب کرنی ہوگی جو مجموعی نظام کو بدلنے اور اس کی بنیادوں کو درست کرنے کے لئے ترجیحات کا ایک جامع منصوبہ بنائے۔ مزاحم قوتوں کی نشاندہی، حکومت کے اندر اہم ناکوں پر بیٹھ کر اسلام کے کام ناکام کرنے والوں کا شعور، کسی سیاسی اور اجتماعی اقدام اور اس کے سارے متضمنات پر گہری نظر کرے۔ اس عظیم منصوبہ کے لئے اولاً اپنے حلقوں میں بالخصوص دینی اور مذہبی حلقوں میں، اسلام پسند حلقوں میں تعصب اور گھٹن کی فضا کو ختم کرنا اور آزاد، جمہوری، وسیع الظرفی، عوامی اور عمومی فضا کو برقرار رکھنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں عمل کی دنیا میں ایک ٹھوس لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ نفاذ شریعت کے عمل کی مضبوطی کا تمام تر دارو مدار حکومت سمیت نفاذ شریعت کے دعوے داروں اور پرچم نبویؐ کے علمبرداروں کے سر ہے۔

جناب عالی! نظام شریعت صرف شراب جوئے، بدکاری کے امتناع اور چوری قتل شراب خوری اور قذف کے جرائم کے سزاؤں کا نام نہیں بلکہ اس میں اسلام کی انقلابی جماعت کو اپنی جماعتی حیثیت سے اسلامی ریاست کی ہیئت سیاسیہ، نظام شوریٰ، انتخابات، نظام ہیئت، تقسیم اور بجٹ کے مسائل، نظام اراضی، سود اور بنکاری، بیرونی تجارت قرضوں کا معاملہ، خارجہ پالیسی۔ غرض زندگی کے تمام بڑے بڑے مسائل اپنی جماعتی اور اتحادی سطح تک بطور لائحہ عمل کے واضح کرنا ہوں گے۔ نشانِ راہ متعین کرنے ہوں گے۔ اور عوام کو یہ باور کرانا ہوگا کہ واقعۃً تم غلبہ اور اقتدار پر آنے کی صورت میں نفاذ شریعت کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہو۔

اگر یہ سچ ہے کہ آپ واقعۃً مملکت کو گلشن اسلام اور رصد ابہار جنت ارضی بنانے کے لئے کوشاں ہیں تو پھر تمہیں پہلے مرحلہ میں ذہنی اور اخلاقی، اسلامی اور روحانی تربیتی کیمپ قائم کرنا ہوں گے۔ تمہیں ایک البرز شکن قوت سینکڑوں اور ہزاروں کی نہیں لاکھوں افراد کی صورت میں حاصل کرنی ہوگی۔ جو اپنی ہزار عملی کمزوریوں کے باوجود اپنا رشتۂ وفا اسلام سے استوار رکھے جن کی زندگی کا اولین ہدف اسلام کے اطوار، اسلام کے اصول و اقدار اور قوانین و احکام کا غلبہ ہو۔ پھر اس وسیع قوت میں ایک مضبوط عنصر ایسا بھی ہو جس کی پورے حالات پر فکری گرفت مضبوط ہو۔ جو عالمی قوتوں کی شر انگیزیوں، مخالف اسلام مغربی مفکروں، حکمرانوں، سیاست دانوں کے حرکات سے پوری طرح واقف ہو وہ تحقیقی و علمی و دینی اور تبلیغی حلقوں میں گھسے بے ضمیر قائدین، صحافیوں، ادیبوں کے طول و طویل سلسلہ ہائے تزویر کو پہچانتا ہو اس قوت کو، سپاہ اسلام بنا کر بنیان مرصوص کی حیثیت سے آگے لانا ہوگا۔ اور انہیں اسلامی اور اصلاحی مقاصد کے لئے متحد کر کے ایک ایسی ناقابل شکست چٹان بنانا ہوگا کہ اگر وقت آئے تو وہ لوگ ہتھکڑیوں، لاٹھیوں اور گولیوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔
جب آپ کے پاس آپ کی انقلابی جماعت میں واقعۃً ایک انقلابی فورس کے مخلص کارکن مہیا ہو جائیں گے تو

جناب پھر صدر ہو یا وزیر اعظم ہو، اسمبلی کے ممبر ہوں یا بیوروکریسی کے ستون۔ طوفان خیز صحافی ہوں یا حقائق کو مروڑنے والے دانشور، وہ کبھی اپنی غلط سکیموں کو آگے نہیں لا سکیں گے وہ مغربی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے اتنی بڑی اور جمہوری قوت سے نہیں ٹکرا سکیں گے۔ وہ اتنی بڑی قوت سے بچ کر کسی پارلیمنٹ یا چیمبر میں سازشیں کر کے اس کو راز نہیں رکھ سکیں گے۔ سپاہ اسلام کی اس عظیم قوت کی للکار مغربی جمہوریت کے دیو ہزار پا کو بے دم کر دے گی۔ تمہیں اس انقلاب اور عظیم انقلاب کے لئے اگر کام کرنا ہے تو پھر اسی قوت میں نہیں اخباری سطح پر لکھنے والوں، محلہ وار مجالس میں تقریریں کرنے والوں، شعر و ادب کے چمن طرازوں، علمی و سیاسی اور قانونی کام کرنے والے مدبروں، فلسفہ اور نفسیات کے ماہروں کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اور اپنے کارکنوں کے ہاتھوں میں ایمان و یقین، براہین و دلائل، فکری اور علمی اور انقلابی اور محکم و مدلل لٹریچر کا اسلحہ دینا ہوگا۔ جس کی مار اندرون ملک لادین قوتوں، منافق حکمرانوں اور عیار بیوروکریٹس سے لے کر بیرون ملک ماسکو اور نیویارک تک ہو۔

عوام میں جہاد کی سپرٹ کو اس طریقے سے حرکت میں لایا جا سکتا ہے کہ پہلے خود نفاذ شریعت کے داعی جماعتوں کو بغیر کسی دغدغے اور تذبذب کے اپنے انفرادی جماعتی اور عملاً سیاسی کاروبار میں شریعت اسلامیہ کے سامنے سر جھکا کر اس کو واحد صحیح اور عادلانہ قانون یقین کر کے پورے فخر اور احساس برتری کے ساتھ نافذ کر دیا جائے۔ یہ کوئی متنازعہ چیز اور اختلافی قضیہ نہیں۔ کسی خاص فرد، جماعت یا گروہ کی برتری اور کسی کو زک دینے کی جذبات کو اٹھا کر باہر پھینک دیجئے۔ میری یہ گذارشات ایک جائزہ اور برحق اور معقول تجویز پر مبنی ہیں۔ معقولیت کی فضا میں اس پر غور کر لیا جائے تو انقلابی نتائج حاصل ہوں گے۔ کوئی خاص جماعت یا پارٹی میری مخاطب نہیں بغیر کسی امتیاز کے تمام مسلمانوں سے میری یہ گذارشات ہیں آخر ان باتوں میں ہم اکٹھے نہیں ہوں گے تو اور کونسی دعوت یا پروگرام ہمیں جوڑ سکے گا۔

اگر آپ نے نوجوان قوت کو منظم کر لیا۔ اسلام پسند طاقتوں کو منظم کر لیا تو نفاذ اسلام کی عملاً ایسی خدمت انجام دی جا سکتی ہے کہ دنیا میں ایک تہلکہ مچ جائے، مخالف اسلام قوتوں کے عزائم خاک میں مل جائیں۔ مفاد پرستوں اور سیکولرسٹوں کے نظریات کا تار و پود بکھر جائے۔ دولت و جاہ کی پرشکوہ قبریں پھٹ جائیں۔ اور ایک انقلابی صور محشر خیز برپا ہو جائے۔

امریکہ کی فریب کارانہ پالیسیاں، بھارت کے ناپاک عزائم، اسرائیل کی اندوہناک تاراجی، روسیوں کی بربریت اور مسلط قوتوں کی ساری امیدیں اس پر قائم ہیں کہ مسلمان کبھی اپنے ایمان اور نظریے۔ اپنے دین اور اپنی تہذیب کی بنیاد پر کھڑے نہیں ہو سکتے۔

اٹھو! خدا اور رسول ؐ کے دین کے لئے جانوں اور مالوں اور عزت و آبرو کی قربانیاں دینے والے بن جاؤ اپنی دماغی اور تخلیقی، علمی و مطالعاتی صلاحیتیں اسلامی نظام کی ترویج میں کھپا دو۔ خود کو باضمیر بنا کر زندہ رہنے کا استحقاق پیدا کرو۔ جماعتی اور سیاسی میدان میں باہمی اعتماد اور اتحاد سے تنظیم اور اپنی جماعت کے اندر فعالیت اور اقدام کی صلاحیت
(باقی ص پر)

ضبط و ترتیب :- مولانا عبدالقیوم حقانی

طلبہ دارالعلوم سے

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق مدظلہ کا خطاب

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب مدظلہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ بمطابق ۱۹ جنوری ۱۹۸۸ء علماء کی ایک جماعت کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ سے ملاقات کی اس موقعہ پر نماز ظہر کے بعد دارالعلوم کی جامع مسجد میں اساتذہ اور طلبہ کے ایک بھرپور اجتماع سے مختصر خطاب بھی فرمایا۔ احقر نے اسی وقت ضبط کر لیا۔ اب افادۂ عام کے پیش نظر نذر قارئین ہے (ع ق ح)

خطبہ مسنونہ کے بعد، محترم بزرگو، حضرات اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ! اس دفعہ پاکستان میں میری حاضری اپنے ایک برادر نسبتی کی شدید علالت کی وجہ سے ہوئی۔ اب خدا نے ان کو افاقہ بخشا تو میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ابھی چند روز اور ٹھہرنا ہے تو اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔ پاکستان کے اہم علمی مراکز، مدارس، وہاں کے اکابر اساتذہ اور طلبہ سے زیارت و ملاقات کی سعادت حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضری کا پروگرام بنایا۔ جب یہاں آنا ہوا تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ دارالعلوم حقانیہ میں حاضری کی سعادت حاصل نہ کی جائے۔ پہلے بھی میری یہاں حاضری ہوئی تھی۔ آج پھر خدا تعالیٰ نے اس کا موقعہ مرحمت فرمایا۔ اور آپ بزرگوں کا حکم بھی ہے کہ کچھ بات بھی ہو جائے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی دین کی بات سنانے کا کہے تو انکار نہیں کرنا چاہئے۔ میری زیادہ تر گذارش تو طلبہ دورۂ حدیث، مشکوٰۃ شریف کے طلبہ سے ہوگی۔ کہ وہ بات کو زیادہ سمجھ سکیں گے دوسرے طلبہ کو بھی اس سے فائدہ ہوگا۔ باقی اکابر موجود ہیں۔ یہ اچھی بات ہے کہ میں بزرگوں کی کتابوں سے جو کچھ نقل کر کے یہاں بیان کروں گا ممکن ہے اس میں غلطی ہو اور بعض اوقات نقل میں غلطی ہو جاتی ہے تو بزرگ بیٹھے ہیں اس میں میرے لئے دو فائدے ہیں

اگر غلطی تھی تو اصلاح فرمادیں گے۔ اور اگر بات درست تھی تو تصدیق ہو جائے گی۔

قرآن میں ایک لفظ اقیموا الصلوٰۃ آیا ہے۔ واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین اور ایک لفظ صلوا استعمال ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے صلوا کما رأیتمونی اصلی تم ایسی نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں صلوا کے واضح اور مختصر لفظ کو چھوڑ کر اقیموا الصلوٰۃ کا جملہ کیوں اختیار کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم نے متقین کی صفت بیان کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ الذین یصلون بلکہ ارشاد فرمایا الذین یقیمون الصلوٰۃ گویا اقامت صلوٰۃ پر زور دیا گیا ہے۔ اقامت صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کے حقوق وآداب اور سنن اور مستحبات کے ساتھ ادا کرنا۔

ایک نماز کا پڑھنا ہے اور ایک نماز کا قائم کرنا ہے۔ جس شخص کی ٹانگیں توڑ دی گئی ہوں اسے کھڑا کرنا قائم کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح جس نے سنن اور مستحبات کے آداب کو ترک کر کے نماز کی ٹانگیں توڑ دیں تو اسے اقامتِ صلوٰۃ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ جملہ اردو کا ہے۔ کہتے ہیں مریض کھڑا ہو گیا یعنی شفایاب ہو گیا۔ قائم ہونے اور نماز کے قائم کرنے کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ نماز پڑھو مگر بیمار اور مجروح نہیں بلکہ قائم درست، اعلیٰ اور عمدہ طریقہ کے ساتھ۔

آج کتابوں اور مسائل کی کمی نہیں۔ مسائل کا علمی تکرار بھی ہوتا ہے۔ مگر اعمال کی کمی ہے اور اعمال کا کوئی تکرار نہیں ہوتا۔ پہلے زمانے میں طلبہ ایک مدرسہ میں جم جاتے تھے وہاں مکمل طور پر علمی عبور حاصل کر لیتے تھے، پک جاتے تھے ماہر بن جاتے تھے اور کامل ہو کر نکلتے تھے۔ مگر آج وہ استقامت نہیں رہی۔ طلبہ دو سال ایک مدرسہ میں۔ سال دوسرے مدرسہ میں۔ کبھی یہاں کبھی وہاں۔ آج اعمال کی کمی ہے خاص کر نماز کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔

میں نے ایک علاقہ میں نماز کے بعد جب نماز کے مسائل بیان کئے اور بتایا کہ لوگ نماز میں کوتاہی کرتے ہیں مثلاً پاؤں کی انگلیاں رو بقبلہ نہیں ہوتیں۔ رکوع میں پنڈلیوں کو درست نہیں کرتے کئی ایک مسائل بیان کئے۔ بعد میں میرے قریب ایک صاحب آئے اور کہنے لگے۔

جناب! ہماری مسجد کے امام صاحب بہت بڑے عالم ہیں جید عالم ہیں ایک وقت درس قرآن پڑھاتے ہیں اور ایک وقت درس حدیث دیتے ہیں۔ علمی تقریریں فرماتے ہیں مگر ایسی نماز انہیں بھی کبھی پڑھنا نصیب نہیں ہوئی۔

ہمارے ہاں دعاؤں کی باقاعدہ مشق کرائی جاتی ہے۔ نماز کی عملی مشق کرائی جاتی ہے حتیٰ کہ اذان، امامت اور اقامت تک کی مشق کرائی جاتی ہے۔

اب کچھ دنوں سے بات دل میں آئی کہ طلبہ تو استفادہ کر لیتے ہیں عام لوگوں اور مسلمانوں کو بھی فائدہ کی آسان صورت بنانی چاہئے۔ لہٰذا اب نماز فجر کے بعد ایک منٹ کا معمول بنا لیا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد سب مقتدیوں سے عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ نماز کا ایک عمل، ایک فرض، ایک سنت اور ایک مستحب ایک ایک کر کے بتایا جاتا ہے۔

ہمارے ہاں کے ایک وکیل صاحب پچپن سال عمر ہے مگر دین کے علم سے ناآشنا تھے اب کی اس آسان ترکیب سے انہیں ۵ سال میں ۱۵ سنتیں یاد ہوگئی ہیں۔ مثلاً ہم سب کو بتاتے ہیں کہ انگلیوں کی تین حالتیں ہیں ۱۔ کھلا رکھنا ۲۔ بند رکھنا ۳۔ اپنے حال پر رکھنا۔ تو بتایا جاتا ہے کہ رکوع میں کھلی۔ سجدے میں بند۔ اور التحیات میں اپنے حال پر رکھی جانی چاہئیں۔

بہرحال قرآن کو، نماز کو، دین کو آسان سے آسان تر صورت میں پیش کرنا چاہئے۔ مثلاً قرآن مجید ہے حافظ آسانی سے پڑھ لیتے ہیں۔ غیر حافظ چاہتے ہیں کہ انہیں بھی اگر سارا نہیں تو قرآن کا ایک حصہ یاد ہونا چاہئے۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے یٰسین شریف صبح کو پڑھو۔ سارے روز کے کاموں میں برکت ہوگی۔ سورہ واقعہ پڑھو فاقہ نہ ہوگا۔ تبارک الذی پڑھو سوتے وقت تو آخرت میں آرام ہوگا۔ یہ سنت ہے یہ حضور ؐ کی تعلیم ہے۔ سب عجلت بھی چاہتے ہیں۔ راحت بھی چاہتے ہیں اور یہ تینوں چیزیں حضور ؐ کی سنت میں موجود ہیں۔ تو ان سورتوں کو یاد کرنے کا آسان طریقہ صرف یومیہ ایک منٹ نماز کے بعد فارغ ہو کر صرف ایک ایک لفظ یاد کرنا ہے۔ اگر مداومت کر لی تو سال میں پارہ ہوتا ہے۔ اور کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ گناہوں کو ترک کر دیا جائے۔ چھوٹے چھوٹے گناہ وضو نماز سے معاف ہو جاتے ہیں مگر بڑے بڑے گناہ طاعات کو کھا جاتے ہیں۔ آپ لازمی طور پر اپنے ہاں اس کی تبلیغ کریں۔ نیکیوں کے فوائد اور منکرات کے نقصانات بتائیں۔ مثلاً گناہوں سے علم سے محرومی، رزق میں تنگی آتی ہے۔ دل پر سیاہ نقطہ لگتا ہے۔

طاعات کے فوائد میں یہ ہے کہ رزق میں برکت اور علم میں وسعت آتی ہے۔ قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں "جزاء الاعمال" حضرت تھانویؒ کی بہترین اور مفید کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ کرو اور عملاً اس کو نبھا کر دکھاؤ۔ منکرات کو مٹانے کی کوشش کرو۔

حدیث شریف میں آیا ہے حضور اقدس ؐ کا ارشاد ہے کہ جب کسی خاندان یا کسی حلقہ اور علاقہ میں منکرات پھیلائے جا رہے ہوں اور کوئی ان سے منع کرنے والا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم، ایسے خاندان اور ایسے محلہ کے افراد کو مرنے سے پہلے پہلے عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ

کلمہ طیبہ فضائل کو کھینچتا ہے۔ مصائب کو دور کرتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے حقوق میں کوتاہی نہ کی جائے ——
تو آج کل کے معاشرہ میں ٹیلی ویژن نوجوانوں کا پٹارہ ہے۔ کتے کے زہر سے بڑھ کر اس کا زہر ہے جب کسی کو اس کا دورہ پڑتا ہے تو بچ نہیں سکتا۔ جب بھی کوئی قدم اٹھایا جائے۔ کوئی کام کیا جائے تو سب سے پہلے یہ سوال اٹھایا جانا چاہئے کہ ایسا کیوں؟ جواب اپنے اپنے فہم کے مطابق حاصل ہوتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے میرے باپ دادے کا طریقہ ہے۔ کوئی کہتا ہے رواج ہے کوئی کہتا ہے دوستوں کی خواہش ہے کوئی کہتا ہے میرے خاندانی روایات ہیں۔ مگر خوش نصیب وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے نبی ؐ کا یہ طریقہ ہے۔

آج ساری دنیا عجب کی بیماری میں مبتلا ہے سب کہتے ہیں کہ ہم تو ٹھیک ہیں مگر فلاں کی وجہ سے کام خراب ہے

فلاں کی تبدیلی تو سب چاہتے ہیں مگر اپنے حالات بدلنے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ اجتماعی توبہ تب قبول ہوگی جب ہر فرد دوسرے کی توبہ کے بجائے اپنی توبہ کی طرف توجہ کرے۔ آج عام طور پر یہ شکایت کی جاتی ہے کہ ماحول خراب ہے کیا کریں کس طرح دین پر عمل کریں۔ مگر میں ماحول کے اثرات کا اس طرح قائل نہیں کہ اسے دین سے فرار کا ذریعہ بنا لیا جائے۔ آپ دیکھتے ہیں گرمی کا موسم ہے۔ باہر فضا اور ہوا گرم ہے۔ سورج کی تپش سے ماحول سارا گرمی کا ہے۔ لیکن اگر اندر ایک کمرہ میں کولر ہے اور وہ چالو ہے تو سارا کمرہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ دیکھئے ماحول کا اثر اس کمرہ پر مرتب نہ ہوسکا۔ کہ اس کے اندر کا کولر چالو ہے باہر ماحول درست ہے۔ بہار ہے۔ بارش ہوتی ہے اور ارد گرد سبزہ اُگ آتا ہے۔ مگر درمیان کی پکی سڑک پر کوئی گھاس نہیں اگتا۔ ماحول تو بہار کا ہے پھولوں اور سبزہ زار کا ہے مگر اس کے باوجود سڑک پر کوئی پھول نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ماحول کا اثر کچھ نتیجہ مرتب نہ کرسکا کہ اس کی اپنی صلاحیت نہیں ہے اس کا اندر درست نہیں۔

فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرو۔ ابلیس کو بھی یہی حکم تھا۔ ماحول فرشتوں کا مقدس مخلوق کا۔ مگر ابلیس کا اندر خراب تھا۔ کبر اور عجب تھا بہترین ماحول کے باوجود وہ بغاوت اور سرکشی کا مرتکب ہوا۔ کتنے لوگ تھے جو خود سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماحول ہی میں رہتے تھے۔ آپ کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے مگر اپنا اندر ان کا خراب تھا منافقت تھی تو منافق ہی رہے۔ حضورؐ کی صحبت اور ماحول بھی ان پر اثر انداز نہ ہوسکا۔

بہرحال اصل چیز دل ہے اندر اور باطن کی کیفیت ہے۔ باری تعالیٰ سب کو نیک عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ یہ تب ہے جب شاہ خوباں کو خانہ دل میں مہمان بنا لیا جاتے۔ اور یہ کیفیت طاری ہو ؎

چھوڑ دو افکار باطل، چھوڑ دو اغیار دل
سج رہا ہے شاہ خوباں کے لئے دربار دل

بقیہ ص ۲۶

ابھار دیجئے۔ دین اسلام اور معاشرے کی اعلیٰ خدمات کا وسیع اور جامع منصوبہ بنائیے۔ چاپلوسانہ اور مغربی طرز کا مفاد پرستانہ منصوبہ نہ ہو۔ خالص دیانت دارانہ ہو۔

اسی میں عوام کی فلاح و بہبود ہے۔ یہی کام اصلاح معاشرہ کا ٹھوس اور حقیقی اقدام ہے۔ بین الاقوامی حالات میں اسی منہج میں ملک کی بقاء، استقلال اور استحکام ہے۔ اسی میں مسلمانوں کے تہذیبی اور ملی شعور کا فروغ ہے۔ اگر اسی علم کو آپ نے تھاما، اس پرچم کو بلند کیا اس پیغام کے مبلغ بنے اور اس کے لئے اپنے مفادات کو تج دیا۔ ذاتی اور گروہی جتھہ بندی کی متعفن سیاست کو تین طلاق دے دیں۔ قومی وحدت اور اتحاد امت کا کام ٹھوس اور حقیقی بنیادوں پر استوار کر دیا تو پھر اہل زمانہ، ارباب طاقت، سپر پاور جن کے آج تم پاؤں چھوتے ہو کل وہ تمہارے جوتوں کو بوسہ دیں گے۔

وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد

مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۸۸ء

عنوان: شریعت پٹیشن نمبر ۴/آئی اف ۱۹۸۸ء

جمیل الرحمن بنام حکومت پاکستان وغیرہ

آئین کی دفعہ ۲۰۳ ڈی کے تحت مندرجہ بالا شریعت پٹیشن اس عدالت میں دائر کردی گئی ہے جس میں قانون حصول اراضی ۱۸۹۴ء کی دفعات ۱۸(۳)، ۲۳، الف اور ۵۴ کو اس بنیاد پر چیلنج کیا گیا ہے کہ یہ دفعات قرآن و سنت کے احکام سے متصادم ہیں۔

یہ شریعت پٹیشن باقاعدہ سماعت کے لئے عدالت نے منظور کرلی ہے، علماء، فقہاء، وکلاء اور عوام الناس کو اس نوٹس کے ذریعے مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو اس مسئلہ کے متعلق اپنی آراء شرعی نقطۂ نظر سے پندرہ (۱۵) یوم کے اندر اندر زیردستخطی کو ارسال کریں۔ مزید برآں حضرات جو بنفس نفیس اس عدالت میں پیش ہونا چاہتے ہیں، وہ بارہ (۱۲) جون ۱۹۸۸ء کو وفاقی شرعی عدالت کے رو برو لاہور ہائی کورٹ بلڈنگ لاہور میں پیش ہو کر عدالت کی معاونت فرمائیں۔ پیش ہونے کی صورت میں تحریری طور پر ۶ر جون ۱۹۸۸ء سے پہلے عدالت کو مطلع کریں۔

والسلام

دستخط: (ایس۔اے۔ نظامی)

رجسٹرار

فون: ۸۲۰۵۲۱

اسلام آباد

شریعت پٹیشن نمبر ۲/ایل ۱۹۸۸ء
وفاقی شرعی عدالت
اسلام آباد

بتاریخ: ۱۲-۵-۸۸

پبلک نوٹس نمبر ۲/ ۱۹۸۸
شریعت پٹیشن نمبر ۲/ایل ۱۹۸۸

محمد اکرام الحق چودھری بنام حکومت پنجاب

آئین کی دفعہ ۲۰۳ "ڈی" کے تحت مندرجہ بالا شریعت پٹیشن اس عدالت میں داخل کر لیگئی ہے جس میں قانون شفعہ پنجاب ۱۹۱۳ کی دفعہ ۸ (۲) کو چیلنج کیا گیا ہے۔

اس دفعہ کی رُو سے ریونیو بورڈ کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ بذریعہ اعلامیہ کسی مقامی علاقہ میں کسی زمین، جائیداد یا کسی بیع یا جملہ بیوع کو حق شفعہ سے کلیتاً مستثنیٰ قرار دیدے یا ریونیو بورڈ کی طرف سے متعین کردہ محدود حق شفعہ باقی رکھنے کا اعلان کرے۔

پٹیشن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ قانونی دفعات شمال مغربی صوبہ سرحد سے متعلق قانون شفعہ ۱۹۵۰ کے دفعہ ۷ (۲) سے مشابہ ہیں جسکو سپریم کورٹ کے فیصلے کی رو سے اسلامی احکام کے منافی قرار دیا گیا ہے۔

یہ شریعت پٹیشن باقاعدہ سماعت کے لئے منظور کر لی گئی ہے، علماء، وکلاء اور عوام الناس کو اس نوٹس کے ذریعے مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو شریعت کی روشنی میں اپنی آراء ایک ماہ کے اندر عدالت ہذا کو بھیجدیں۔

جو حضرات بنفس نفیس اس عدالت میں پیش ہونا چاہتے ہیں، تو وہ زیر دستخطی کو تحریری طور پر مطلع فرمائیں۔

دستخط: (ایس۔ اے۔ نظامی)
رجسٹرار
فون: ۸۲۰۵۲۱

PID (1) Advt No. 4461/101

قسط ۳ — جناب علی ارشد صاحب

داؤدی بوہرہ فرقہ

ناتھوانی کمیشن رپورٹ کے آئینے میں

داعی بمقابلہ گستاپو بڑے ملّا یا ان کے ایجنٹوں کی اجازت کے بغیر کوئی داؤدی بوہرہ نہ تو رسالہ یا اخبار شائع کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی دوسرے روزانہ اخبار یا میگزین کو پڑھنے کی اجازت ہے۔ یتیم خانے، مسافر خانے، سکول، کواپریٹو بنک، کوسٹور۔ بیواؤں اور ضعیف لوگوں کے لئے کوئی ادارہ قائم کرنے یا چلانے کی اجازت نہیں ہے۔ حالاں کہ عام بوہروں کے خیال کے مطابق بڑے ملّا کو غیر مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ ملا یا ان کے ماتحتوں کو دعوت نامہ یا خط میں فرقہ کے ارکان کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود کو اگر مرد ہے تو "عبد سیدنا" اگر عورت ہے تو "امۃ سیدنا" لکھے۔ ان کے معنی غلام، کنیز کے ہیں۔

اگر شادی یا ڈنر کے دعوتی کارڈ پر یہ لفظ نہ لکھے ہوں تو ڈنر کا بائیکاٹ کیا جاتا ہے جب کہ شادی کی اجازت نہیں دی جاتی۔ جون ۵، ۱۹۷۵ء کو طاہری ہائی سکول کھوکھا بازار بمبئی کے ایک ٹیچر طاہر علی کو محض اس لئے بے تحاشا مارا پیٹا گیا کہ وہ اردو اخبار بلٹز کا مطالعہ کر رہا تھا۔ بلٹز کو ملا نے ممنوع قرار دیا ہے۔

کمیشن کے سامنے عبد العلی کپاڈیہ نے جو راجکوٹ کے رہنے والے ہیں بیان دیا کہ ان کو، ان کی اہلیہ اور والد کے خلاف خبرنامہ" داؤدی بلیٹن" پڑھنے کی وجہ سے سماجی بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا۔ یہ بلیٹن ایک اصلاح پسند مسٹر ساسنچا والا نکالتا ہے۔ ملا کے نائب نے زبانی ہدایت دی کہ اس بلیٹن کا مطالعہ ممنوع ہے۔ عبد العلی نے اپنے بھائی کا خط کمیشن کے سامنے پیش کیا جس میں اس بات کا اظہار افسوس کیا گیا تھا کہ وہ اس کی لڑکی کے انتقال پر نہ آسکا کیونکہ سیدنا نے ان کی برأت کر رکھی ہے۔

ایک عورت زینون نے طاہر سیف الدین کے سکریٹری کے ایک نوٹس کی نقل پیش کی جو ۲۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو جاری کیا گیا:۔

۱۔ تم نے کھلم کھلا اعلان کیا ہے کہ موجودہ ملا صاحب ہز ہولی نس سردار سیدنا طاہر سیف الدین باقاعدہ طور پر سلسلہ وار داعی مطلق مقرر نہیں ہوئے۔ تم یہ سمجھتی ہو کہ جانشینی کا سلسلہ ۴۶ ویں داعی بدر الدین کے بعد منقطع ہو گیا تھا۔

۲۔ تم مئی ۱۹۴۶ء کو عبدالحسین نور بھائی مجھرت پترا سے نکاح کرنا چاہتی ہو۔ نہ تم نے شادی کے لیئے داعی سے اجازت حاصل کی نہ ہی ہز ہولی نس یا خاص اس مقصد کے لیئے مقرر کردہ ان کے نائب نے شادی کی رسم میں شرکت کی ہز ہولی نس اور مقدس کتابوں کی رو سے یہ شادی ناجائز ہے۔ داعی مطلق اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تم داؤدی بوہرہ فرقہ کے بنیادی عقیدوں پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہز ہولی نس کے فیصلہ کو داؤدی بوہرہ عقیدہ کے رسم و رواج اور اصولوں کے سلسلہ میں حرف آخر سمجھتے ہو اور تم نے داعی مطلق کے اختیارات، پوزیشن اور برتری کو چیلنج کیا ہے یا اس کی خلاف ورزی کی ہے۔

۴۔ تم نے دی ینگ مینز بوہرہ ایسوسی ایشن کراچی کے زیر اہتمام شائع ہونے والے رسالہ " آگے قدم " میں مضامین لکھے جس میں داعی مطلق کی توہین کی ہے اور فرقہ کے بنیادی عقائد اور رسوم و رواج پر حملہ کیا ہے (مضمون عورتوں کی تعلیم کے حق میں تھا) اس نوٹس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملاجی کی اجازت کے بغیر ہونے والی شادی ناجائز سمجھی جاتی ہے " صہ ۳۵

عباس بھائی غلام حسین ساکن دھرول نزد راجکوٹ کا کہنا ہے کہ :-

وہ رفیع الدین یتیم خانہ دھرول میں کام کرتے تھے جس میں یتیموں اور انتہائی غریب بچوں کی کفالت کی جاتی ہے یہ ادارہ ۱۹۵۵ء میں قائم ہوا تھا۔ چونکہ ادارہ بڑے ملا کی اجازت کے بغیر شروع کیا گیا تھا لہٰذا اس کا بائیکاٹ کیا گیا۔ گواہ کو استعفیٰ دینے کے لئے کہا گیا۔ بصورت دیگر برأت کی دھمکی دی گئی۔ جام نگر کے عامل نے بچوں کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ ادارہ خالی کر دیں۔

بچوں نے کہا کہ وہ یتیم خانہ سے نکل کر کیا کریں گے ؟

عامل نے جواب دیا کہ جب کتے اور دیگر جانور کسی نہ کسی طرح اپنا رزق فراہم کر لیتے ہیں تو ان کو اپنی زندگی کے بارے میں اتنی گھبراہٹ کیوں ہے۔ بائیکاٹ کی شکایت گجرات کی وزیر مسز عائشہ بیگم سے کی گئی۔ اس نے اس مسئلہ پر ملاجی کو لکھا۔ ملاجی نے یکم نومبر ۱۹۷۶ء کو جواب دیا کہ جام نگر کے عامل کو رپورٹ پیش کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ رپورٹ ملنے کے بعد مناسب اقدام کیا جائے گا۔ لیکن اس کے بعد کچھ نہیں کیا گیا۔ گواہ مذکورہ نے وزیر موصوفہ کو یاددہانی کے لئے کئی خط لکھے لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ (صہ ۵۹)

بقیہ گذشتہ صفحہ تحفہ عیدت یہ شعر نقل کئے ہیں صہ ۳۲۷

ے جا کر یوسف سے پوچھے کوئی نجم الدین پہ کس نے نص کی
داعی چار جو گذرے پہلے وہ ہرگز منصوص نہ تھے
داعی ان کے بعد سے تم دعوت کا اسباب ہوا گم
نص ہی ثابت نہیں ہے تم پر داعی تم کو مانیں کیونکر

غلام حسین اسماعیل جوادوے پور میں بوہرہ جماعت کے سکریٹری ہیں۔ موصوف نے ریفرنڈم کے علاوہ زبانی گواہی بھی دی۔ ان کے بیان کے مطابق سیدنا نے فرمان جاری کئے کہ وہ سب ادارے بند کر دئے جائیں جو سیدنا کی اجازت کے بغیر شروع کئے گئے ہیں۔ گواہ نے ایک خط کی نقل پیش کی جس میں اسے ہدایت دی گئی ہے کہ وہ سب ادارے بند کر دئے جائیں جو بوہرہ افراد کی فلاح و بہبود کے لئے ملاجی کی مرضی کے بغیر چلائے جارہے ہیں۔

ایک گواہ نے بتایا کہ سیدنا نے انجمن لقمانی کو ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو تجہیز و تکفین کے موقعہ پر ضروری مدد فراہم کرتی ہے۔ گواہ نے سیفی دواخانہ اور زچہ خانے کی مثال بھی پیش کی، جسے طیب علی نے قائم کیا تھا جو راجستھان کے کسی ریاست میں عدلیہ کے عہدے پر فائز تھے۔ گواہ نے بتایا کہ یہ سیدنا کا اصرار تھا کہ دواخانہ اور زچہ خانہ کو ایک وقف کے ذریعہ ان کے نام موسوم کر دیا جائے۔

بانی کے انکار پر ملاجی نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اور یہ ادارے کسی کے کام نہ آسکے۔

ایک مثال برہانیہ لائبریری کی ہے جس میں ادب، تاریخ اور دیگر کئی مضامین پر کتابیں ہیں۔ یہ کئی سال قبل قائم کی گئی تھی۔ فرقہ کے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے چونکہ اس کا انتظام بوہرہ یوتھ کے حامی شخص کے ہاتھ میں ہے اس لئے لائبریری کو بند کرنے کے احکامات جاری کئے گئے۔ انتظامیہ نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا تو بوہرہ فرقہ کے افراد کو فرمان بھیجا گیا کہ وہ لائبریری سے استفادہ نہ کریں۔ گواہ نے سیف امدادیہ کی مثال بیان کی۔ یہ ادارہ پرائمری اور سیکنڈری سکول کے طلبہ کو مفت کتابیں تقسیم کرتا ہے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو وظائف دیتا ہے۔ حوصلہ افزائی کے لئے طلائی و نقرئی تمغے، شیلڈیں اور انعامات تقسیم کرتا ہے۔ الغرض بہت سی خواتین و حضرات کو تعلیم دلوائی گئی۔ جن میں ڈاکٹر اور انجنیر بھی ہیں۔

یہ ادارہ عطیات اور ممبر شپ فیس کی مدد سے چلتا ہے۔ سیدنا اس قسم کے تمام اداروں کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم یافتہ افراد کی سوسائٹی میں ان کے اختیارات نہیں چل سکیں گے۔

بمبئی کی محفوظہ صادق علی نے سوالنامہ کے جواب میں چار ایسے اداروں کا حوالہ دیا جو محض اس بنا پر بند کئے گئے کہ ان کے قیام کی سیدنا سے اجازت نہیں لی گئی تھی

۱۔ حسن علی دھولکاوالا ٹرسٹ (زچہ بچہ مرکز) - ۲۔ مستفطی چیریٹیبل ٹرسٹ - ۳۔ موریس والا مسافر خانہ -
۴ - کاندی ولی کالونی - موریس والا مسافر خانہ ملاجی نے اپنے جابرانہ اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے اپنے قبضے میں کرلیا۔ جب کہ تین دوسرے ادارے بند کرنے پڑے۔ ص ٦٦

ایک شخص نے جو اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا کمیشن کو بتایا کہ امریلی کی جماعت پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ امریلی کی تمام جائیداد بحیثیت مذہبی سربراہ ملاجی کے نام منتقل کر دیں۔

جوناگڈھ میں مسجد کی تعمیر کے لئے ایک آدمی نے بڑی رقم عطیہ دینے کی پیش کش کی۔ جب سیدنا کی رضا حاصل کرنے کی درخواست کی گئی نوان سے کہا گیا کہ وہ موجودہ سیدنا کے والد طاہر سیف الدین کی یاد میں "روضۂ طاہر" کے لئے بھی اتنی ہی رقم دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد کے لئے جتنی رقم دینے کا ارادہ تھا اسے کم کرنا پڑا۔

علی حسین سائیکل والا نے ملا صاحب کی اجازت کے بغیر گودھرا میں فرقہ کی بہبود کے لئے ادارہ "انجمن محمدی" اور مجلس ٹیلرنگ کلاس کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن اسے یہ سرگرمیاں بند کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

مالیگاؤں کیارڈ گنج کے عنایت حسین بھائی نے بتایا کہ اس نے داؤدی بوہرہ ہیلپنگ سوسائٹی قائم کر کے مفت ہسپتال اور رفری لائبریری بنانے کے لئے پہل کی۔ ضلع کلکٹر نے افتتاح کیا۔ چونکہ ملاجی سے اجازت نہیں لی گئی تھی اس لئے بوہرہ فرقہ سے کہا گیا کہ وہ گواہ اور اس کے خاندان کا بائیکاٹ کر دیں۔

طیب علی ابراہیم جی نے بھنڈی بازار بمبئی میں مفت دوا خانہ قائم کیا تھا۔ اس کا مکمل بائیکاٹ کرنے کی ہدایت جاری کی گئی۔ ح۶۷

اندور کرسچین کالج میں معاشیات کے اسسٹنٹ پروفیسر محمد حسین نے بتایا کہ اس نے چند دیگر لوگوں کے تعاون سے فرقہ کی بہبود کے لئے کئی سرگرمیاں مثلاً سکالرشپ سوسائٹی۔ بک بینک۔ کالج کے طلبا کے لئے مفت کلاسیں۔ تدفین کی سوسائٹی۔ طبی فنڈ سوسائٹی وغیرہ شروع کیں۔ لیکن سیدنا کی اجازت حاصل نہیں کی ۱۹۶۸ میں ان کا نیم بائیکاٹ کیا گیا جو ۱۹۷۲ء تک جاری رہا۔

ششی بھوشن ممبر پارلیمنٹ نے ملاجی کے خلاف کچھ باتیں کہی تھیں جس کے خلاف پیشوا طبقہ نے جلوس نکالا۔ گواہ مذکور نے اس جلوس میں شرکت نہیں کی۔ اس لئے برأت کا اعلان کر دیا گیا۔ گواہ کے والد نے اس ڈر سے کہ کہیں اس کی چار بیٹیوں کو طلاق نہ ہو جائے، بیٹے کو گھر سے نکال دیا لیکن چھ ماہ بعد واپس بلا لیا۔ ۱۴/۱۷ افراد پر مشتمل کنبہ کا مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ آخر کار یہ پورا خاندان بہائی ہو گیا۔ ح۶۸

برأت اور سماجی ایذا رسانی

سماجی بائیکاٹ یا برأت کی اصطلاحات، اس کی حقیقی نوعیت کا اظہار نہیں کرتیں۔ یہ صرف برادری سے باہر کرنے کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کے معنی مثبت مظالم، دہشت انگیزی، اذیت کوشی۔ محلہ۔ مسجد اور قبرستان وغیرہ سے اخراج کے ہیں۔ جس شخص کی برأت کا اعلان کر دیا گیا ہو وہ اکیلا مصیبت نہیں جھیلتا بلکہ اس کے قریبی رشتہ دار یا قدرتی محبت کی بنا پر اس سے رابطہ قائم کرنے والے بھی مظالم کا شکار بنائے جاتے ہیں۔

ایک شخص نے کمیشن کو بتایا کہ ولادت، موت اور پاخانہ کے علاوہ ہر کام کے لئے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے بصورت دیگر انہیں سماجی بائیکاٹ۔ امتیازی سلوک اور انتقامی کارروائی کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ ح۷۱

برأت سے متاثر ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند خاص خاص واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ایک خاتون میمونہ بائی بنت رجب علی نے بتایا کہ اصلاح پسندوں کا ساتھ دینے کے جرم میں سیدنا کے حکم سے ان کا سماجی بائیکاٹ کردیا گیا۔ بلاوجہ ان پر حملے کیے جاتے اور مارا پیٹا جاتا۔ اپریل ۱۹۷۵ کو اس کا بھائی کنوئیں میں گر کر مرگیا تو اس کا دوسرا بھائی جو سیدنا کے ساتھ تھا۔ عامل سے والد کے گھر جانے اور بھائی کی تدفین میں شرکت کی اجازت مانگی جو نہیں دی گئی اور بھائی، بھائی کے جنازے کو کندھا نہ دے سکا۔

میمونہ کی بہن شبیرہ، بھائی کے آخری دیدار کے لئے ان کے گھر آگئی تو اس کے شوہر نے اسے اپنے گھر میں داخل ہونے سے منع کردیا۔ آخر معافی نامہ اور میثاق دینے پر ہی واپسی کی اجازت ملی۔ میمونہ بائی نے مزید بتایا کہ وہ ۱۸ جنوری ۱۹۷۵ کو مؤید پورہ کی مسجد میں ہونے والے ایک مشہور واقعہ کی عینی شاہد ہے۔ اس دن صبح کو جب لوگ امام حسین کی مجلس سن رہے تھے تو قدامت پرست طبقہ کے لوگ ہتھیاروں کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے اور حملہ کردیا۔ عورتوں اور مردوں کو مارا پیٹا جارہا تھا، انہیں دعوت کا دشمن کہا جارہا تھا ایک بچے کو بری طرح زمین پر ٹپک دیا۔[۷۴]

مسز محفوظہ عابد حسین ادیب نے بیان دیا کہ سیدنا صاحب ان کے شوہر سے کسی بات پر ناراض تھے۔ ۴ فروری ۱۹۷۰ کو گلیا کوٹ میں وہ فخر الدین شہید کے عرس پر گئی ہوئی تھی۔ درگاہ سے ملحق آرام گھر میں تین لڑکیوں نے اسے شیخ ذاکر حسین سے ملنے کے لئے کہا۔ اس نے انکار کیا تو لڑکیوں نے زدوکوب کرنا شروع کردیا۔ وہاں موجود کچھ مرد بھی اس نیک کام میں شامل ہوگئے۔ بیچ بچاؤ کرنے والوں کو دھمکیاں دے کر خاموش کردیا گیا۔ مجھے کہا گیا کہ اپنے شوہر کی مذمت کرو۔ نہیں تو تمہاری عزت لوٹ لی جائے گی۔ ایک شخص نے میرے سر پر لاٹھی ماری جس سے مجھے چکر آگیا۔ لوگ مجھے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ گالیاں دی گئیں۔ میرے کپڑے پھٹ چکے تھے اور وہ مجھے اسی حالت میں بازار تک لے گئے اور دور تک پیچھا کیا۔

اودھے پور کی صفیہ بائی نے اس واقعہ کی تصدیق کی اور مزید انکشاف کیا کہ موجودہ سیدنا کے بھائی یوسف نجم الدین وہاں موجود تھے۔ اور ہجوم کو اشتعال دلا رہے تھے۔ عرس میں شریک عورتوں کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا گیا کپڑے پھاڑ دئیے گئے اور ان پر تھوکا گیا اور یہ دلدوز منظر سیدنا اور ان کے کنبہ کے افراد فخری محل کی بالکونی سے دیکھ رہے تھے۔ بقول صفیہ بائی کے "اسے لوگوں نے گھیر لیا اور سگے بیٹے احسان حسین پر لعنت بھیجنے کے لئے کہا گیا۔ اور میں نے بھاری دل کے ساتھ ایسا کیا۔ گواہ نے بتایا کہ عورتوں تک کو سیدنا اور ان کے بھائیوں کو سجدہ کرنے۔ ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔[۷۵]

شیخ یعقوب علی قربان حسین راج نگر والا نے بتایا کہ سیدنا کو کسی وجہ سے ان کی وفاداری پر شک ہوگیا اور اس کے خلاف برأت کا حکم جاری کیا گیا۔ ان دنوں اس کا لڑکا سورت میں مذہبی کالج جامعہ سیفیہ میں زیر تعلیم

تھا۔ والد کی برأت کے بعد بیٹا، باپ کو ملنے گیا۔ تو اس جرم میں اسے کالج سے نکال دیا گیا۔ اسے معافی مانگنے کے لئے بمبئی سیدنا کے حضور حاضر ہونا پڑا۔ جہاں اسے یہ اعتراف کرایا گیا کہ اس کا باپ شیطان ہے اور لعنت و ملامت کا مستحق ہے اسے حکم دیا گیا کہ وہ اپنا نام بدل کر صابر حسین رکھے۔ اسے یہ بھی کہا گیا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ اپنے باپ کا نام نہ جوڑے۔

گواہ نے بتایا کہ اس کے بیٹے کی شادی ہوئی لیکن اسے نہیں معلوم کب اور کس کے ساتھ ہوئی۔ ص۷۹

یحییٰ علی ایڈووکیٹ نے کمیشن کے روبرو بیان دیا۔ کہ الیکشن میں یومنو ریفارم مومنٹ کے امیدواروں کی حمایت کرنے پر ۱۹۷۳ء میں اس کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا جس کی وجہ سے بوہرہ مؤکلاں نے اسے چھوڑ دیا۔ چچا زاد بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں نے قطع تعلق کر لیا۔ چونکہ گواہ کی بہن نے تعلقات منقطع کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے اس کے شوہر نے اسے گھر سے نکال دیا۔ ص۸۰

ایک ٹیچر محمد شیخ سکنہ سورت نے بیان دیا کہ اس کے دوسرے تین ساتھیوں سمیت داعی کے بارے میں غلط عقیدہ رکھنے کی بناء پر برادری سے خارج کر دیا گیا۔ سیدنا نے ایک فرمان کے ذریعہ اپنے پیروکاروں کو اطلاع دی کہ چاروں ٹیچروں کا بائیکاٹ کر دیا گیا ہے۔ چاروں ٹیچروں کو کالج سے نکالنے سے پہلے جنوری ۱۹۷۱ء کو سیدنا نے طلب کیا۔ انہوں نے ان کو کالج کے استادوں اور طلباء کے مجمع میں کھڑا کر دیا اور ان سے کہا کہ چاروں پر لعنت بھیجیں، تھوکیں اور گالیاں دیں۔ بعد ازاں انہیں دھکے دے کر نکال دیا گیا۔ ان کے گھر کی کوئی عورت عزت و آبرو کے ساتھ باہر نہیں نکل سکتی تھی۔
ایک ٹیچر کی بیوی کو مجبور کیا گیا کہ وہ طلاق حاصل کرے اور اس کی چار ماہ کی بچی کو حرام کی اولاد قرار دے دیا گیا۔
دوسرے ٹیچر حسن علی کے داماد کو کہا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اسے یہ حکم ماننا پڑا۔ حالانکہ وہ اپنی بیوی سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ ان کے گھروں پر حملے کئے گئے اور مال و اسباب لوٹ لیا۔ ص۸۲

کمیشن کو بتایا گیا کہ ایسے واقعات عموماً ہوتے رہتے ہیں۔ بھارت کے علاوہ مشرقی افریقہ۔ برطانیہ اور پاکستان میں اصلاح پسند ارکان کو ہراساں کرنے، ایذا رسانی نیز ان کی سرگرمیوں کی جاسوسی کرنے کے لئے پیشوا طبقہ مردوں (شباب) اور عورتوں (بنات) پر مبنی نجی فوج رکھتا ہے۔

نیروبی میں ۷۷ سالہ محمد علی حسین علی کو ۱۹۶۸ء میں سیدنا کی موجودگی میں مسجد سے باہر پھینک دیا گیا اور اسے اپنی اہلیہ کے جنازے میں شرکت سے زبردستی روکا گیا اور ان کے لڑکوں کو جبراً باپ سے ملنے نہیں دیا گیا۔ ص۸۹

اے، اے او دے پوری ایڈوکیٹ نے سیدنا کے پیروکاروں کا بنایا ہوا فلیٹ خریدا۔ فلیٹ کا پٹہ مذہبی رہنما کے نام پر تھا۔ انہوں نے دستاویز حاصل کرنے کے لئے بمبئی کے ایڈیشنل چیف میٹروپولیٹن مجسٹریٹ ۲ کی عدالت میں دھوکہ دہی کی شکایت کی۔ تب انہیں معلوم ہوا کہ معاہدے کے اصل کاغذات جھوٹے بنائے ہوئے تھے۔

زین الدین ولی بھائی نے زبانی اور تحریری گواہی دی کہ عامل کی ہدایت پر بوہروں نے موصوف کی فیکٹری کا بنا ہوا صابن خریدنے سے انکار کر دیا اور مختلف مقامات پر فیکٹری کے اشتہارات کے بورڈ تباہ کر دئے صہ۹۱

کمیشن کو بتایا گیا کہ اصلاح پسند طبقے کو جسمانی تشدد کے ساتھ ساتھ ذہنی اذیت کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے۔ اصلاح پسند طبقے سے تعلق رکھنے والی عورتوں کو بس سٹاپ پر ہراساں کیا جاتا ہے۔ اور قدامت پسند خواتین انہیں طمانچے لگاتی ہیں۔

کینیا سے فدا حسین علی نے شکایت کی کہ ان کو دیگر تین سو اصلاح پسندوں سمیت بوہروں کی مساجد میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ برطانیہ کی داؤدی بوہرہ ویلفیئر سوسائٹی نے ایک میمورنڈم میں کہا کہ لندن میں آ کر بسنے والے یوگنڈا کے پناہ گزینوں کو مولانا حسین کے یوم شہادت میں شریک نہیں ہونے دیا گیا۔ بسا اوقات ذہنی و جسمانی مظالم انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس وقت ہوا جب "سیف الدین گڈھ والا کو آگ سے شدید طور پر جلایا گیا۔ اس کا بیٹا جو سیدنا کیمپ میں تھا اس کی شادی اس وقت کرائی گئی جب سیف الدین زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ انتقال کر گیا تو بیٹا ایک وفادار بوہرہ ہونے کی وجہ سے تدفین میں شریک نہیں ہوا صہ۹۴

کفن دفن میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی بے شمار مثالیں کمیشن کے سامنے لائی گئیں۔ مثلاً برطانیہ میں چار، پانچ میتیں پولیس کی حفاظت میں دفنائی گئیں۔ کسی کی لاش کو قبرستان سے باہر پھینک دیا گیا۔ اور کسی کو اپنے عزیز کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے غیر بوہرہ مولوی سے رجوع کرنا پڑا۔ کہیں جنازہ باہر پڑا ہے کہیں مسجد کو تالا لگا دیا گیا کراچی کے حاتم علی کی والدہ کو غیر بوہرہ قبرستان میں دفنانا پڑا۔

حق رائے دہندگی میں مداخلت | ناتھوانی کمیشن کے سامنے دو احکامات کی فوٹو نقلیں پیش کی گئیں۔ ایک کا تعلق ۱۹۶۴ء سے دوسرے حکم تعلق ۱۹۶۷ء سے ہے۔ جن میں عاملوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ عام انتخابات میں کانگرس کو ووٹ دینے کے لئے بوہروں کو مجبور کریں۔

ایام محرم میں فرقہ کے واعظوں کو خط لکھا گیا کہ وہ اپنی تقریروں میں فرقہ کے لوگوں سے کانگرس کو ووٹ دینے کے لئے تیار کریں۔ بمبئی کے روشن علی نے بتایا کہ مہاراشٹر کی قانون ساز اسمبلی کے حالیہ انتخابات میں پیشوا طبقہ نے طالبات کے ذریعہ گھر گھر پر کنویسنگ کرائی کہ کانگرس آئی نے پنجہ کا جو نشان لیا ہے وہ پنج تن کا پنجہ ہے لہذا لوگ اس انتخابی نشان کو ووٹ دیں، صہ۱۳"

ٹیکس، محصول اور عطیات | کمیشن کو بتایا گیا کہ مختلف قسم کے ٹیکس، محصول، نذرانے اور سلام لئے جاتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ انہیں ۳۲ مواقع پر رقومات ادا کرنی پڑتی ہیں۔ سبھی گواہ اس بات پر متفق ہیں کہ جمع کی گئی رقم کا بیشتر حصہ سیدنا اور اس کے خاندان کے لوگوں کی عیش پسند زندگی پر خرچ ہوتا ہے۔ ضرورت مندوں، بوہروں کی فلاح و بہبود

یا ترقی پر ایک پائی بھی خرچ نہیں کی جاتی۔ بمبئی کے ناریل واڑی قبرستان میں جگہ مخصوص کرنے کے لئے چند سو سے لے کر اکاون سو روپے تک وصول کئے جاتے ہیں۔ اور اس کے لئے باقاعدہ فارم پُر کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل اقسام کے ٹیکس جمع کئے جاتے ہیں۔

۱۔ زکوٰۃ ۔۲۔ صلہ وفطرہ ۔۳۔ نذر مقام ۔۴۔ حق النفس ۔۵۔ خمس

زکوٰۃ و خمس | زکوٰۃ تمام مسلمانوں پر فرض ہے شیعہ اور اسمٰعیلی اپنی دولت کا ۵/۱ حصہ بطور خمس ادا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ صرف اسلامی حکومت کو زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے کا اختیار رہے ورنہ ایک مسلمان زکوٰۃ کو غریبوں ۔ضرورت مندوں اور یتیموں وغیرہ میں تقسیم کرنے کے لئے آزاد ہے ۔صرف اسماعیلیوں میں وصولی لازمی ہے۔

صلہ وفطرہ | عید الفطر کے دن ماہ رمضان کے اختتام پر غریب اور مستحق مسلمانوں کو جو رقم دی جاتی ہے اسے فطرانہ کہتے ہیں۔ جب کہ صلہ کے معنی دینداری کی رہنمائی کے لئے امام یا داعی کے واسطے انعام ہیں یہ صرف اسماعیلیوں میں ہے دوسرے مسلمانوں میں نہیں۔

نذر مقام | یہ وہ رقم ہے جب کوئی شخص نیا کاروبار شروع کرتے وقت یا سفر پر جاتے وقت الگ نکال کر رکھ دیتا ہے۔ یہ رقم داعی کے ذریعے قرض بھی دی جاتی ہے۔ بوہروں کا عقیدہ ہے کہ اگر یہ قرض نہ لوٹایا جائے تو کوئی نہ کوئی آفت نازل ہو جائے گی۔

حق النفس | مسلمانوں کے کسی دوسرے فرقہ میں اس طرح کا ٹیکس نہیں ہے اور نہ ہی اسلامی قانون میں اس کا کہیں تذکرہ ہے۔ یہ بڑے ملّا کی اپنی اپج ہے یہ ٹیکس ملّا اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مرنے والوں کے پسماندگان سے وصول کرتا ہے۔ پسماندگان سے کہا جاتا ہے کہ اگر انہوں نے یہ رقم نہ دی تو متوفی کی نجات نہ ہوگی۔ سوالنامہ کا جواب دینے والے بہت سے بوہروں نے بتایا کہ ان ٹیکسوں کے علاوہ بھی بہت سا روپیہ بڑے ملا اور ان کے خاندان کے لوگ نذرانہ وسلام کی شکل میں وصول کرتے ہیں۔ مثلاً شادی مجلس ۔موت ۔حلف وفاداری ۔بچہ کے نام رکھنے کی رسم ۔حج اور بڑے ملّا کے ہاتھ سے "بسم اللہ" لکھوا کر حساب کتاب کی سالانہ کتابوں کو کھولنا وغیرہ ۔ٹیکسوں کی شرح کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

۲ ۱/۲ فیصد زکوٰۃ بڑے ملا وصول کرتے ہیں کوئی بوہرہ خود غریبوں یا مستحقین میں تقسیم نہیں کرسکتا۔ فطرانہ ۴۰، ۵۰ روپے فی بالغ مرد وعورت ۔ ۲۰۸۷ روپے فی نابالغ مرد وعورت ۔ ۲۰۸۷ روپے ماں کے پیٹ میں بچہ ۔ ۲۰۸۷ روپے فی مردہ بچہ ۔ یہ شرح ۱۹۷۳ء سے نافذ ہے۔

نذر مقام ہر خاندان سے بجبر وصول کی جاتی ہے۔ حق النفس بوہروں کی اپنی ایجاد ہے۔ کمیشن کے سامنے موجود

شہادت کے مطابق بشرح ۱۱۹ روپے یا اس کی کسی ضرب یا ۱۱۹ سونے کی مہریں یا اس کی کسی ضرب کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے ۔ یہ رقم مرنے والے کے پسماندگان کے لئے تیسرے دن ادا کرنا ضروری ہے ۔

اگر کوئی شخص دعوت کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ بڑے ملا کا ہاتھ چومے ۔ اور ۵ روپے ، ۱۱ روپے ، یا ۱۰۱ روپے نذرانہ پیش کرے ۔ ولادت کے پانچ دن بعد برادری کے کچھ لوگ ملاجی سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ بچے کا نام تجویز کریں ۔ ملاجی گدی پر بیٹھتے ہیں ۔ درخواست کرنے والا ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑا ہوتا ہے ۔ بڑے ملا بڑی شان سے سر اٹھاتے ہیں ۔ سلام کی رقم کے ساتھ اپنے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دلواتے ہیں ۔ پھر بچے کا نام رکھتے ہیں ۔

حج اور زیارت کربلا پر جاتے وقت اور واپسی پر بھی ایک مناسب رقم ملا صاحب کو دینی پڑتی ہے ۔ حج بدل کے لئے پانچ سے دس ہزار روپے بطور نذرانہ دینے پڑتے ہیں ۔

شادی ۔ بچے کا نام و عقیقہ کے وقت میثاق ۔ نماز جنازہ ۔ دعوت ۔ ضیافت ۔ قدم بوسی حاضری مجلس ۔ ایم کے ڈی ۔ ایس کے ڈی ۔ ملا اور شیخ وغیرہ کے خطابات دیتے وقت بھی داعی معقول رقم بٹور لیتا ہے ۔ یہ سب نذرانے سلام ٹیکس یا محصول رضاکارانہ نہیں ہیں اور نہ ہی اختیاری ہیں بلکہ کمیشن کے سامنے ہونے والی گواہیوں اور شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جبری طور پر وصول جاتے ہیں ۔ ایک شخص نے بتایا کہ بیٹھوا طبقہ " جنت کے پاسپورٹ " بیچتے ہیں ۔ بقول اس کے " کاغذ کے ایک ٹکڑے پر کچھ خطوط کھینچ کر اور عربی حروف لکھ کر متوفی کے سینے پر رکھ کر دفن کر دیا جاتا ہے ۔ اس کی کم از کم قیمت ۴۰ روپے ہے اور اگر کوئی دولت مند ہے تو ۴۰۰ روپے ادا کرتا ہے ۔ اس رقعہ کا مطلب یہ ہے کہ جب قبر میں منکر نکیر تلوار اور بھالے لے کر پرسش اعمال اور مرنے والے کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے آئیں گے تو اس تحریر کو دیکھ کر مردے کو سلام کریں گے اور اس علم کے بعد کہ متوفی بڑے ملا کا ماننے والا ہے اس کے ساتھ خصوصی سلوک کریں گے اور بغیر سوال کئے واپس چلے جائیں گے ۔

کمیشن کی تحقیقات کے مطابق اصلاح پسند بوہروں کے شہری اور انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے برأت کی وسعت اور شدت بیان کئے گئے واقعات سے عیاں ہے ۔ حقیقتاً یہ محض برادری سے اخراج اور بائیکاٹ نہیں ہے بلکہ اختلاف کا اظہار کرنے والوں کو یا ملاجی یا ان کے عاملوں کے قانونی یا غیر قانونی ۔ مذہبی یا غیر مذہبی حکم کو نہ ماننے والے کو اذیت پہنچانے ، ڈرانے ، دھمکانے اور ہراساں کرنے کا ذریعہ ہے اور اس کو جائز مذہبی طریقہ ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا ۔ ص ۱۴۹

یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ دائرہ اسلام سے نکل جانے والے ، شیطانی اور بہیمانہ ہتھکنڈے استعمال کرنے والے طالع آزماؤں کا شکار ہو جاتے ہیں اور یوں اپنی دنیا اور عاقبت خراب کر لیتے ہیں ۔
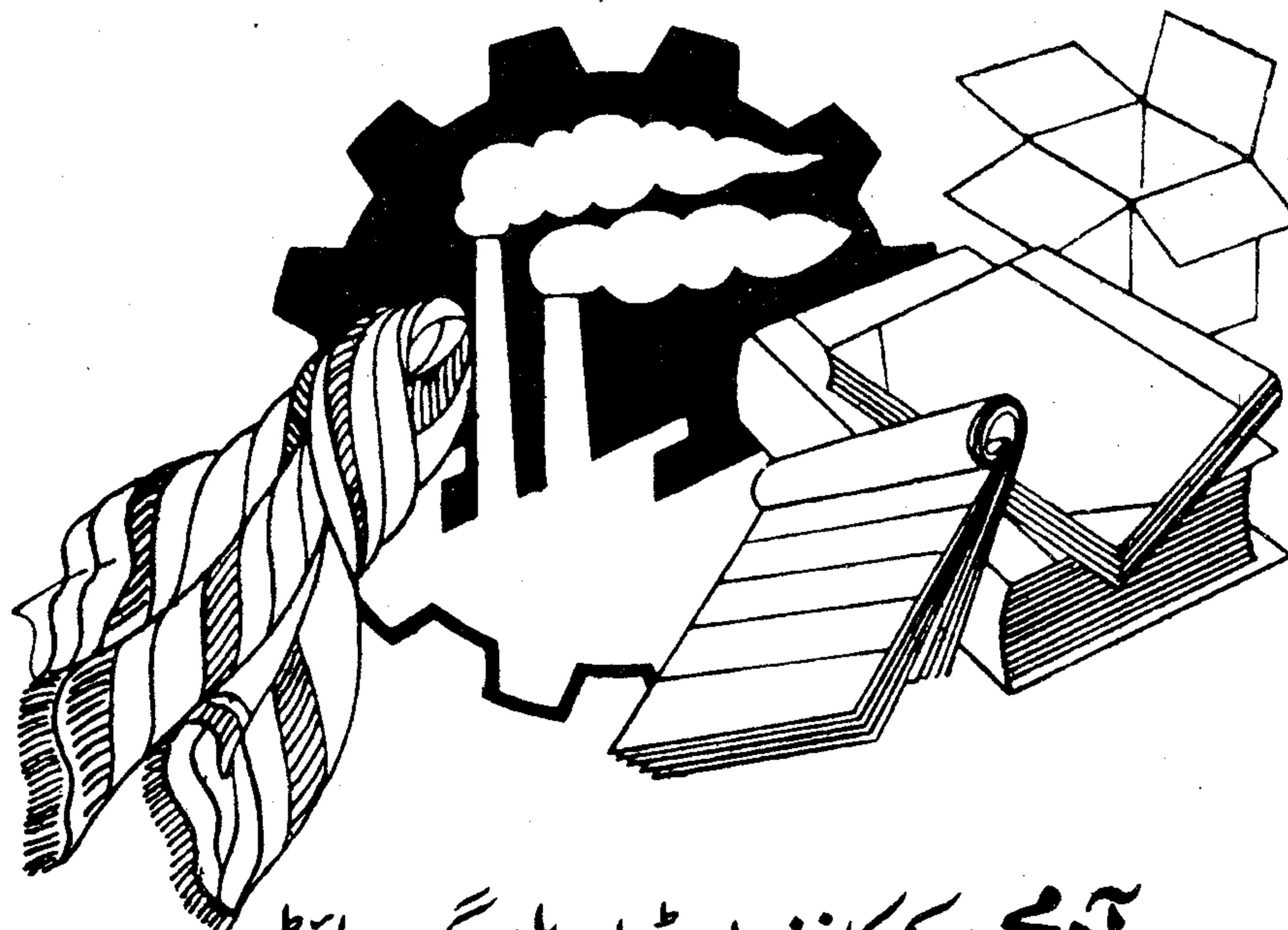
یادِ رفتگاں!

حافظ محمد ابراہیم فانی، مدرس دارالعلوم حقانیہ

قسط نمبر ۲

سیر بوستان

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا عبدالہادی صاحب شاہ منصوری قدس سرہ العزیز

تواریخ رحمت خانی کے مطابق بالآخر گگیانیوں نے احسان فراموشی کرتے ہوئے بادشاہ کو ملک سلیمان شاہ کا
م بتایا کہ ہمیں اس نے اس حملہ سے خبردار کیا تھا۔ یہ سنتے ہی بادشاہ آگ بگولا ہوا۔ اور یوسف زیوں سے انتقام لینے
ی تیاری میں مصروف ہوا۔ پھر گگیانی قوم کو اپنے ساتھ ملا کر یوسف زیوں پر بھرپور حملہ کیا۔ لیکن اس جنگ میں ان کو
نکست کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد میں بادشاہ کو مشورہ دیا گیا کہ آپ یوسف زئی کو بزور شمشیر زیر نہیں کرسکتے۔ آپ ان
ے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔ اور اس حیلہ بہانہ سے آپ ان کو ختم کرسکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور یوسف زئی
ے پاس قاصد بھیجا۔ کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور آئندہ کے لئے میں آپ کے ساتھ بدعہدی نہیں کروں گا۔ اور کچھ تحائف
ی ان کے پاس بھیج دیئے۔ اور ساتھ ساتھ انہیں آپنے آنے کی بھی دعوت دی۔

چنانچہ ملک سلیمان شاہ اپنے ساتھ تقریباً سات سو سرکردہ ملکوں اور سرداروں کو لے کر دربار پہنچا۔ بادشاہ نے
، کی پوری آؤ بھگت کی۔ اور انتہائی عزت و احترام اور اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو اپنے محل میں اتارا۔ پھر ان کو اپنے
رار و سلاطین میں تقسیم کئے۔ اور کہا کہ یہ امرا آپ لوگوں کی الگ الگ ضیافت کریں گے۔

مرزا کے آدمیوں نے ہر ایک امیر اور مصاحب سے کہا کہ ان تمام یوسف زیوں کے ہاتھ پیچھے کی طرف مضبوطی سے
ھیں اور انہیں بادشاہ کے دربار میں حاضر کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بقول صاحب تواریخ حافظ رحمت خانی القصہ جس دن مرزا نے یوسف زیوں کو قتل کیا۔ گگیانیوں کے سردار
ی وہاں موجود تھے۔ مرزا نے ان سے کہا کہ یہ رہے سات سو چیدہ مردان یوسف زئی دست بستہ تمہارے حوالے
ں۔ اب تم چند بڑے سرداروں کی گردنیں اپنے ہاتھ سے کاٹ دو۔ اور اپنا عہد پورا کرو۔ باقی سب کی گردنیں میرے
ٔ اڑا دیں گے۔

ملک سلیمان شاہ بہت سراسیمہ ہوئے اور بادشاہ سے کہا کہ ہم نے آپ کے ساتھ کتنے احسانات کئے ہیں۔ پھر کہا۔ کہ اگر تم مجھے قتل کرنا نہیں چاہتے۔ تو ایسا کرو کہ میرے بھتیجے ملک احمد کو چھوڑ کر ان کی جگہ مجھے قتل کریں۔ اور دوسری بات یہ کہ ان لوگوں کے قتل کے بعد آپ یوسف زئی قوم سے کچھ تعرض نہ کریں۔ یہ لوگ جہاں چاہیں انہیں جانے دیں۔ چنانچہ بادشاہ نے ملک سلیمان شاہ کو قتل کیا اور اس کے بجائے اس کا بھتیجا ملک احمد چھوڑ دیا۔

چونکہ ان سرداروں کے قتل کے بعد یوسف زیوں پر عرصہ حیات تنگ ہوا تھا اس لئے یہ لوگ اپنے ساتھ بچا کھچا اثاثہ لے کر پشاور آئے۔ اور یہاں پر دلازاک نے ان کے لئے علاقہ دوابہ مختص کر دیا۔ بعد ازاں ان کا ملک وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ تا آنکہ یہ لوگ سوات پر بھی قابض ہوئے۔

قاضی عطاء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ الغ بیگ کے پاس اپنے وطن سے کافی تعداد میں مغل بھی آپہنچے تھے اس لئے اس نے یوسف زئی سے جان چھڑانے کی کوشش کی۔ پہلے تو اس نے گگیانی اور یوسف زئی کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ اس میں ناکام ہوا تو اس نے از خود ان پر حملہ کیا۔ مگر اس میں بھی اس کو شکست ہوئی۔ پھر ان کے ساتھ صلح کر کے دھوکہ سے ان کے جرگہ کو تہ تیغ کر ڈالا۔

بابر اور یوسف زئی جب کابل کے حکمران مرزا الغ بیگ کا ۹۰۷ھ میں انتقال ہوا تو کچھ مدت بعد بابر بادشاہ جو کہ الغ بیگ کا بھتیجا تھا۔ کابل پر قابض ہوا۔ پھر جب ظہیر الدین بابر ہندوستان پر قبضہ کرنے کی خاطر لشکر لے کر کابل سے روانہ ہوا تو پشاور سے آگے مردان ضلع میں جب داخل ہوا تو اس نے یوسف زیوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ یہ حملہ آپ نے دلازاک کے اکسانے پر کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بابر کو مرزا الغ بیگ کے سلوک کا علم تھا۔ اس کو خیال آیا کہ یوسف زیوں کے دل مغلوں سے صاف نہیں ہو سکتے۔ ایسا نہ ہو کہ ہندوستان پر حملہ کروں اور پیچھے سے یوسف زئی ہم پر دھاوا بول دیں۔ اس وجہ سے اس نے بھی یوسف زئی کے قتل عام میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ باجوڑ پر اس نے قبضہ کیا اور کاٹلنگ و شہباز گڑھی تک اس نے لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم کیا۔ اور علاقہ صوابی میں بھی اپنا لشکر بھیج دیا۔ ان تمام جنگوں میں یوسف زئی پہاڑوں میں روپوش رہے۔ اور بابر نے کبھی بھی ان پر مکمل فتح حاصل نہیں کی۔ بالآخر بادشاہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان یوسف زیوں کے ساتھ رشتہ داری اور دوستی اختیار کرنی چاہیئے۔

ملک شاہ منصور چنانچہ ملک شاہ منصور کی دختر نیک اختر بی بی مبارکہ کے ساتھ آپ کی شادی[1] ہوئی۔ ملک شاہ منصور تو اس رشتہ پر راضی نہ تھا لیکن اپنی قوم کے جرگہ اور خود اس کے چچا زاد بھائی ملک احمد نے اس کو مجبور کیا کہ یہ رشتہ آپ قبول کریں۔ اس لئے کہ ہم اب بے سروساماں ہیں۔

---

[1] تواریخ حافظ رحمت خانی میں یہ واقعہ بہت دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے خانی

جناب روشن خان صاحب محشی تواریخ حافظ رحمت خانی رقمطراز ہیں:-

تزک بابری میں اس رشتے کے بارے میں درج ہے۔ اس خیال سے کہ یوسف زئی افغانوں سے مضبوط رشتہ استوار ہو جائے۔ ان سے درخواست کی گئی چنانچہ انہوں نے منظور کر کے ۲۰ محرم ۹۱۵ھ کو ملک شاہ منصور کا بھائی طاؤس خان دلہن کی ڈولی کے ساتھ آیا۔

دوسرے مقام پر روشن خان صاحب لکھتے ہیں کہ:

ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم نے بی بی مبارکہ کے متعلق لکھا ہے کہ بی بی مبارکہ افغانی آغاچہ کے نام سے پکاری جاتی تھی اور بڑی بیش بہا خوبیوں اور عقل و فراست کی بنا پر بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور ہمایوں جب شیر شاہ سے شکست کھا کر بھاگا تھا تو افغانی آغاچہ ان کے ساتھ تھی۔ آمدم برسر مطلب۔ ان تمام تاریخی واقعات سے میرا مطلب یہ ہے کہ ملک شاہ منصور جس کی بیٹی کی شادی ظہیر الدین بابر سے ہوئی تھی بہر (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے) ملک شاہ منصور، ملک سلیمان شاہ مقتول کا بیٹا ملک سلطان شاہ کا بھتیجا اور ملک احمد کا چچا زاد بھائی تھا۔ یہ قصبہ شاہ منصور آپ ہی کے نام سے مشہور ہے اور یہ قصبہ آپ نے ۹۲۰ھ اور ۹۴۰ھ کے درمیان میں آباد کیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق وہ اس سٹیٹ کا والی تھا اور یہ مقام آپ کا پایہ تخت تھا۔

تواریخ حافظ رحمت خانی کے مطابق آپ کا شجرہ نسب یوں ہے:-

ل گو کہ پختون روایات کے مطابق بیٹی کے رشتے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ لیکن یہ واقعات تاریخی حقائق ہیں اس لئے ان کا ذکر

ولادت و ابتدائی تعلیم | موضع شاہ منصور میں مولانا عبد اللہ صاحب کے ہاں ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں آپ کی آپ کی ولادت ہوئی ، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اس کے بعد فارسی نظم کی کتابیں گلستان و بوستان، یوسف زلیخا وغیرہ ہند کے مشہور ریاضی دان مولوی صاحب سے پڑھیں۔ ابتدائی رسائل چھوٹے لاہور (صوابی) کے مولانا محمد زمان شاہ صاحب عرف ابا صاحب، میاں ڈھیری کی مشہور روحانی و علمی شخصیت مولانا سید حسین شاہ اور موضع درہ (تحصیل صوابی) کے مولانا محمد انعام سے پڑھے۔ اسی طرح صرف میر موضع لنڈیواہ (تحصیل لکی مروت) کے علامہ محمد عبد القہار صاحب عرف مروت مولوی صاحب سے حفظ کی فرماتے تھے کہ میں نے تحصیلِ علم کے لیے علاقہ مروت کا سفر بھی کیا ہے۔ وہاں پر میرے برادر بزرگ مولانا عبد الباقی[1] صاحب کافیہ پڑھتے تھے اور میں صرف میر حفظ کرتا تھا۔ اُس وقت اس علاقہ میں پانی کی شدید قلت تھی۔ فرمایا کہ ماڑی انڈس تک ہم ریل میں سفر کرتے اور اس کے بعد لنڈیواہ تک پیدل جاتے۔

اعلیٰ تعلیم اور سندِ حدیث | کافیہ اور جامی علاقہ چھچھ کے ولیہ مولوی صاحب سے مختصر المعانی اور مطول وغیرہ کتب معانی موضع بام خیل کے سودائی مولوی صاحب سے منطق و حکمت کی منتہی کتابیں مولانا حبیب اللہ صاحب زردبی عرف صاحب حق صاحب، مولانا قطب الدین غورغشتوی ؒ ، مولانا عبد الحکیم صاحب، مولانا محمد صدیق صاحب اور مولانا گل کاکا (مولانا غورغشتوی ؒ کے بھائی) سے پڑھیں۔ تکمیلِ فنون کے بعد سندِ حدیث اور دورۂ حدیث کیلئے غورغشتی تشریف لے گئے اور وہاں پر مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی ؒ کے شہرۂ آفاق درسِ حدیث میں شرکت کی۔ دو سال مسلسل

بقیہ از حاشیہ صفحہ گزشتہ

ناگزیر ہے ظہیر الدین بابر کا خیال تھا کہ اس رشتہ سے مغلوں اور یوسف زیوں کے درمیان جو کشیدگی پائی جاتی ہے وہ کم کی جائے لیکن اس میں ان کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے کہ اگرچہ وقتی طور پہ ان کے درمیان فضا سازگار ہوئی تھی۔ لیکن بابر کی وفات کے بعد اکبر کے عہد میں دوبارہ مغلوں اور یوسف زیوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ اور یوسف زیوں کے ہاتھوں ان کے نامور جرنیل مارے گئے تھے جس میں اس کا مشہور ظریف الطبع وزیر راجہ مہیش داس عرف بیربل سرفہرست ہے اکبر نے پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ یوسف زیوں سے جنگ کے لئے بھیجا تھا لیکن وہ بونیر کی وادیوں میں مارا گیا۔ اس کی موت پر اکبر بادشاہ کو بہت دکھ پہنچا تھا۔ (فانی)

---

[1] مولانا عبد الباقی صاحب حضرت الشیخ کے برادر بزرگ تھے، آپ نے بھی دورۂ حدیث حضرت شیخ الحدیث مولانا غورغشتوی ؒ سے پڑھا، اور آپ کے اولین شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ دیگر اساتذہ میں مولانا محمد صاحب زروبوی زیادہ مشہور ہیں، آپ انتہائی قابل عالم اور بہترین خوشنویس تھے، آپ کے تحریری افادات آپ کے صاحبزادے مولانا عبد الباری صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔ فانی

آپ نے ان سے دورۂ حدیث میں سبق لیا۔

دورۂ تفسیر | تحصیل علوم و فنون کے بعد آپ دورۂ تفسیر کے لیے ضلع میانوالی کے قصبہ واں بھچراں تشریف لے گئے اور وہاں پر عارف باللہ مولانا حسین علی صاحب قدس سرہ سے دورۂ تفسیر قرآن پڑھا۔ ایک دفعہ راقم نے آپ سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے مولانا حسین علی صاحب کے پاس کتنا وقت گذارا تھا، آپ نے فرمایا کہ میں تفسیر قرآن کے مکمل ضبط تک اپنے شیخ کے پاس رہا، اور جب مجھے یقین آیا کہ میں اب دورۂ تفسیر قرآن پڑھانے کے قابل ہوں، تب میں وہاں سے اپنے علاقہ اور گاؤں کو واپس آیا۔

بیعت و سلوک | اپنے استاذِ تفسیر حضرت مولانا حسین علی صاحب قدس سرہ کے دستِ حق پرست پر آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی اور انہی کے خلیفہ و ماذون تھے۔

دارالعلوم تعلیم القرآن | دورۂ تفسیر و حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے گاؤں کی جامع مسجد میں ۱۹۲۶ء میں مدرسہ تعلیم القرآن کی بنیاد ڈالی اور اس میں حسبۃً للہ پڑھاتے رہے، فرماتے کہ میرے شیوخ اور اساتذہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ بغیر اُجرت کے سبق پڑھاتے اور تدریس کرتے، اس لیے میں ان کے نقش قدم پر چلتا ہوں۔ اس مدرسہ میں آپ ایک سال مکمل دورۂ حدیث پڑھاتے اور ایک سال موقوف علیہ۔ فارغ اوقات میں فنون کی کتابوں کا درس بھی دیتے، اس کے ساتھ روزانہ ترجمہ و تفسیرِ قرآن آپ کا وظیفہ رہا۔ ۱۵ر شعبان سے لے کر ۲۴ر رمضان تک دورۂ تفسیر قرآن کا بھی اہتمام فرمایا۔ دورۂ حدیث اور دورۂ تفسیر کے اختتام پر ایک عظیم الشان سالانہ جلسۂ دستاربندی بھی منعقد فرمایا کرتے تھے، جس میں علاقہ کے مشاہیر علماء و مشائخ کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیرالدین صاحب غورغشتوی قدس سرہٗ اور کبھی کبھی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ خصوصیت کے ساتھ شرکت فرماتے، اور فارغ التحصیل طلباء کی دستاربندی ہوتی۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ ابھی تک تو یہی سلسلۂ درس و تدریس جامع مسجد میں جاری رہا، اب اس دارالعلوم تعلیم القرآن نے ایک عظیم دینی درسگاہ کی صورت اختیار کرلی ہے، اور اب صوابی روڈ پر برلب سڑک اس کی خوبصورت عمارت ہے۔

ایک لطیفہ | راقم الحروف کے تایا مولانا عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ جو کہ حضرت الشیخؒ کے ساتھ غورغشتی میں فنون کی بعض کتابوں میں ہم درس رہ چکے ہیں، نے بندہ کو بتایا تھا کہ میں، کوکا مولوی صاحب (حضرت الشیخؒ کا عرف) اور موضع مانیری کے مولانا فضل حسینؒ[1] صاحب مرحوم، ہم غورغشتی میں اکٹھے رہتے تھے، جمعہ کی رات کو حضرت غورغشتویؒ ہم سے تقریر کی مشق

---

[1] مولانا فضل حسین صاحب مولانا فضل محمود کے گھر مانیری پایاں (تحصیل صوابی) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، اس کے بعد فارسی نظم کیلئے موضع ہنڈ تشریف لے گئے۔ کافیہ اور شرح جامی وغیرہ کتابیں جلالیہ علاقہ چھچھ میں پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا عبدالحکیم اور

(بقایا حاشیہ ص پر دیکھیں)

کرانے، چونکہ مولانا افضل حسین صاحب انتہائی کم گو اور خاموش مزاج انسان تھے، جب ان کی نوبت آتی تو وہ خاموش کھڑے رہتے، پھر اس کو حضرت غورغشتویؒ فرماتے بیٹھ جاؤ، اور یہیں اور کو کامولوی صاحب اپنی باری پر کچھ نہ کچھ سنا جاتے، پھر جب یہ محفل ختم ہو جاتی اور حضرت غورغشتویؒ گھر تشریف لے جاتے تو مولانا افضل حسین صاحب ہم دونوں کو مخاطب کرتے کہ تم دونوں بہت بے ادب ہو، اُستاد کے سامنے تقریر کرتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی۔ ہم اُن کو کہتے کہ تم بزدل ہو، اپنی بزدلی کا ادب کا نام دیا ہے، اُستاذ کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتے تو ہمیں بے شرم اور بے ادب ہونے کا طعنہ دیتے ہو، ہم تو تب بے ادب ہوتے کہ اُستاذ کے حکم کے بغیر کچھ حرکت کرتے، اور یہ تو عین ادب ہے جب اُستاذ صاحب نے ہمیں حکم دیا اور ہم نے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تقریر کی۔

<u>سلسلہ سند تفسیر القرآن</u> دورہ تفسیر کے اختتام پر آپ جو سند فارغین طلبا کو دیتے تھے وہ یوں ہے:-

الحمد لله خالق الارض والسماء المتوحد بالسمو والسنا معطی آلاء لمن دعاه عند الاضطرار والابتلاء رازق المکونات فی شقوق الصخور وقعور الآماء والصلوٰة والسلام علی سید الرسل والانبیاء شافع المذنبین یوم الجزاء وعلی آله الکرماء واصحابه الاشداء الرحماء۔ اما بعد فیقول العبد الفتاق الی رحمة الله الغنی الهادی عبد الهادی بن عبد الله عاملهما الله بفضله البادی فی العواقب والمبادی ان الاخ الصالح الموسوم .... لما قرء تفسیر القران الفرقان عندی فاجزت له ان یدرس التفسیر عاملا وماحیا به

(صفحہ کا بقیہ حاشیہ) مولانا محمد صدیق صاحب سے معقولات اور حکمت میں درس لیا جب مولانا عبدالحکیم فوت ہوئے تو آپ زروبی تشریف لائے اور وہاں پر حضرت صاحب حق صاحب سے اور اس کے بعد غورغشتی میں مولانا قطب الدین غورغشتوی اور مولانا گل بابا سے معقولات کی کتابیں پڑھیں تکمیل فنون کے بعد آپ نے دوبارہ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین سے دورۂ حدیث پڑھا، بعدازاں آپ اجمیر تشریف لے گئے اور مولانا معین الدین اجمیری سے بھی استفادہ کیا، اور وہاں پر ایک دینی درسگاہ میں مدرس مقرر ہوئے تقسیم ہند کے بعد آپ اپنے وطن تشریف لائے اور اپنے گاؤں میں تدریس شروع کی۔ اس وقت آپ کے پاس ۱۰۰ سے لے کر ۱۵۰ تک طالب علم زیر تعلیم رہتے۔ پھر حضرت الشیخ شاہ منصوری اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ نے آپ کو مولانا غورغشتوی کا حکم سنایا کہ آپ تدریس کے لیے راولپنڈی تشریف لے چلیں، چنانچہ آپ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کے ساتھ راولپنڈی چلے گئے۔ ۲ سال تک وہاں پر تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد دوبارہ اپنے گاؤں تشریف لائے اور تادمِ واپسیں وہاں پر حسبۃً للہ درس دیتے رہے۔ اس دوران کئی مدارس سے آپ کو تدریسی خدمات انجام دینے کی پیشکش کی گئی۔ لیکن آپ نے انکار کیا۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۷ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ (رفاقی)

للبدعات بارك الله تعالیٰ فی حاله وقاله ووقفه لتعليمه وتفهيمه واجازنی
شیخی حسین علی البنجابی رحمة الله تعالیٰ علیه واجازه محمد عثمان واجازه
دوست محمد القندهاری واجازه الشاه احمد سعید واجازه الشاه
عبد العزیز واجازه الشاه ولی الله الدهلوی واجازه محمد فاضل السندی
واجازه عبد الخالق واجازه الشیخ البقری واجازه عبد الرحمن الیمنی واجازه
الشیخ سجادة الیمنی واجازه الشیخ ابونصر الطبلاوی واجازه شیخ الاسلام زکریا
وابونعیم العقبیٰ ایضاً واجازه کل واحد منهما الشیخ محمد بن الجزری
واجازه ابوالعباس احمد بن الحسین واجازه والدهٔ واجازه ابومحمد القاسم
واجازه احمد بن علی ومحمد بن سعید ومحمد بن ایوب واجازهم
علی بن محمد المقری واجازه احمد بن سهیل واجازه عبید بن الصباح
واجازه حفص واجازه عاصم واجازه عبید بن حبیب وزر بن حبیش واما
عبید بن حبیب فاجازه عثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب وابی بن کعب و
زید بن ثابت وابن مسعود واجازهم النبی صلی الله علیه وسلم واما زر بن
حبیش فاجازه عثمان بن عفان وابن مسعود واجازهما النبی صلی الله علیه وسلم

اکسٹھ سال! آپ نے اپنی حیاتِ مستعار کے پورے اکسٹھ سال درس و تدریس اور ترجمہ و تفسیر قرآن میں گذارے
یہ قابلِ رشک زندگی اور یہ نصیب، اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کے بانی و مہتمم شیخ الحدیث حضرت
مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ نے بندہ کے استفسار پر ایک مجلس میں فرمایا کہ میں جب شاہ منصور میں حضرت مولانا
عبدالرزاق صاحب مرحوم کے پاس ابتدائی رسائل پڑھتا تھا تو اُس وقت بھی آپ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔

عملی سیاست اور حج بیت اللہ ۱۹۵۳ء میں آپ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ آپ کا شمار
چونکہ خلوت نشینانِ خانقاہ و جلوتیانِ مدرسہ میں ہوتا تھا۔ درس و تدریس کے علاوہ آپ کا کسی چیز سے سروکار
نہ تھا، روز و شب یہی مشغلہ یہی دھن، لیکن ۱۹۷۱ء میں جب صدر پاکستان (اُس وقت کے) جنرل یحییٰ خاں نے
عام انتخابات کا اعلان کیا اور ملک کی تمام سرکردہ پارٹیوں نے اس انتخاب میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تو جمعیت العلماء اسلام
کے اکابرین کے اصرار اور پُرزور تقاضا پر آپ قومی اسمبلی کے انتخاب کے لیے نامزد کر دیئے گئے۔ فرماتے تھے کہ
مجھے قومی اسمبلی کی نشست سے کیا تعلق! لیکن ان لوگوں نے اصرار کیا اور میں نے بھی جب دیکھا کہ بڑے بڑے
بزرگ مثلاً مولانا مفتی محمود (آپ حضرت مفتی صاحب کو محمود صاحب فرمایا کرتے) مولانا غلام غوث ہزاروی اور

اکوڑہ خٹک کے مولانا عبدالحق صاحب بھی قومی اسمبلی کی نشست کے لیے نامزد کیے گئے ہیں، اس لیے میں بھی ان کا تقاضا پورا کرتے ہوئے اس میدان میں اتر آیا۔

وفات آپ نے ایک سو آٹھ سال کی طویل زندگی پائی، اور ایک عالم کو قرآنی علوم و معارف اور ارشاداتِ نبوی کی ضوء فشانیوں سے فیضیاب اور روشن کرنے کے بعد بالآخر ۲۳ اگست ۱۹۸۶ء مطابق ۲۷ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ کو راہی خلدِ بریں ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

تاریخی جنازہ جونہی آپ کی وفات کی خبر پھیلی اور نمازِ جنازہ کے وقت کا اعلان ہوا، انسانوں کا ایک طوفانِ بلاخیز اور موجیں مارتا ہوا سمندر تھا، گویا ہاتفِ غیبی نے اطراف و اکناف میں آپ کی وفات کی خبر دی تھی، جو اس جنازے میں شرکت کے لیے بے تاب تھا۔ نمازِ جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا نورالہادی نے پڑھائی۔ اس موقع پر مجھے اُس شخص کا قول یاد آیا جس نے امام اہلسنت والجماعت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے جنازہ میں شریک لاکھوں افراد کو دیکھ کر بے ساختہ کہا تھا: ھٰذا جنازۃ اھل السنۃ والجماعۃ

ایک محتاط اندازے کے مطابق ۶۵ اور ۷۰ ہزار کے لگ بھگ مسلمانوں نے اس تاریخی جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ صوبہ سرحد میں ایسا عظیم الشان جنازہ کسی نے بہت کم دیکھا ہوگا۔ بالکل اسی طرح منظر تھا جو کہ مولانا علی میاں نے حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی وفات پر لکھا ہے:۔

"بالآخر وہ وقت آگیا کہ نصف صدی کا پُر مشقت اور طویل مجاہدہ کا سفر طے کرنے والا اپنی آخری آرامگاہ پر پہنچے، اور اپنی محنت و وفاداری کا انعام پائے۔ ۱۳۸۱ھ کے رمضان المبارک کی ۱۸ تاریخ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو حاضری کا پیام آیا اور نمازِ عشاء میں بحالتِ سجدہ انتقال ہوا، اور خادم القرآن قرآن کے نازل کرنے والے کے جوارِ رحمت میں پہنچ گیا۔ جنازہ میں لوگوں کے پروانہ وار ہجوم اور اجتماعِ عظیم کا وہ منظر تھا جو لاہور کے سے عظیم شہر نے مدت دراز تک نہیں دیکھا تھا اور شاید مُدت دراز تک نہ دیکھے۔ غروبِ آفتاب کے ساتھ تبلیغ و اشاعتِ دین کا یہ آفتاب بھی لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل اور خاک کے پردے میں نہاں ہوگیا"۔

اس قابلِ رشک موت پر ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ خدا ہمیں بھی ایسی موت نصیب کرے ؎

وہ سر کھولے ہماری لاش پر دیوانہ وار آئے
اسی کو موت کہتے ہیں تو یارب بار بار آئے

کہتے ہیں کہ عجائباتِ عالم میں ایک عجوبہ روزگار تاج محل ہے (مقبرہ ممتاز محل بمقام آگرہ) ایک انگریز اور اس کی بیوی اس عظیم محبت کی یادگار کو دیکھنے کے لیے آئے، انگریز کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ اگر

تم مجھ پر اس طرح مقبرہ تعمیر کروا سکتے ہو تو میں اسی وقت موت کو گلے لگا سکتی ہوں"۔ کچھ یہی حال وہاں پر موجود ہر شخص کا تھا۔

تلامذہ! آپ چونکہ قوی حافظہ اور مضبوط استعداد کے مالک تھے، اس لیے زمانہ طالبعلمی ہی سے آپ طلبہ کو کتابیں پڑھاتے، چنانچہ آپ کے صاحبزادے مولانا نورالہادی نے مولانا فضل الرحمٰن ساکن ملکہ کڑی (تحصیل صوابی) سے روایت کی ہے کہ میں (مولانا فضل الرحمٰن) اور شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب قدس سرہ نے حضرت الشیخ سے مختصر المعانی اور قطبی جیسی کتابوں میں طالبعلمی کے دوران درس لیا تھا۔

علاوہ ازیں تکمیل علوم وفنون کے بعد جب آپ نے اکسٹھ سال تک تدریس کی، تو اس دوران آپ سے صرف دورۂ تفسیر میں تقریباً بیس ہزار تک پاکستان، ایران، افغانستان اور ملحقہ قبائل کے تلامذہ مستفید ہوئے اور دیگر باقاعدہ شاگرد جنہوں نے آپ سے حدیث اور دیگر فنون میں درس لیا، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

تصانیف! (۱) تفسیر البرہان فی مشکلات القرآن ــــــــ عربی ــــــــ مطبوعہ

(۲) تسہیل البخاری ــــــــ " ــــــــ "

(۳) تسہیل الترمذی ــــــــ " ــــــــ "

(۴) تسہیل المشکوٰۃ ــــــــ " ــــــــ "

(۵) تلخیص العقائد ــــــــ " ــــــــ "

(۶) بیان النظیر فی عنوان التعبیر ــــــــ " ــــــــ غیر مطبوعہ

اولاد! بڑے صاحبزادے کا نام مولانا نورالہادی اور دوسرے کا نام فیض الباری۔ مولانا نورالہادی صاحب اپنے عظیم والد کے طرز پر دورۂ تفسیر پڑھاتے ہیں اور اپنے والد کی وفات کے بعد آپ کے جانشین مقرر کر دیئے گئے، اللہ تعالیٰ حضرت الشیخ کی برکات ان کی اولاد اور ہم تلامذہ و مستفیدین پر نازل فرمائے۔ آمین۔ وجدت ربی راضیاً مرضیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لم یبق من النبوۃ الا المبشرات قالوا ما المبشرات قال الرؤیا الصالحۃ۔ اس ارشادِ نبوی کے مطابق صرف ایک خواب پر اکتفاء کرتا ہوں۔ (اگرچہ آپکی وفات کے بعد بہت سے علماء ومشائخ اور طلبہ نے آپ کے بارے میں بہت بہترین خواب دیکھے) جو کہ مدرسہ حمایت الاسلام فلجی کنڈر خیل پشاور کے مہتمم میاں صاحب کی طرف منسوب ہے، انہوں نے کہا کہ جس رات حضرت الشیخ کا انتقال ہوا، دوسری رات میں نے خواب میں حضرت الشیخ کی زیارت کی، آپ انتہائی نفیس اور خوبصورت لباس زیب تن کیے ہوئے تھے میں نے ان سے پوچھا آپ کس حالت میں ہیں، فرمایا: وَجَدْتُ رَبِّیْ رَاضِیًا مَرْضِیًّا ــــــــ (جاری ہے)

ایگل
ایک عالمگیر قلم
خوشنما رواں اور دیرپا۔
اسٹیل کی سفید اریڈیم ٹپڈ نب کے ساتھ
EAGLE
EAGLE IRIDIUM
ہر جگہ دستیاب
آزاد فرینڈز اینڈ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ
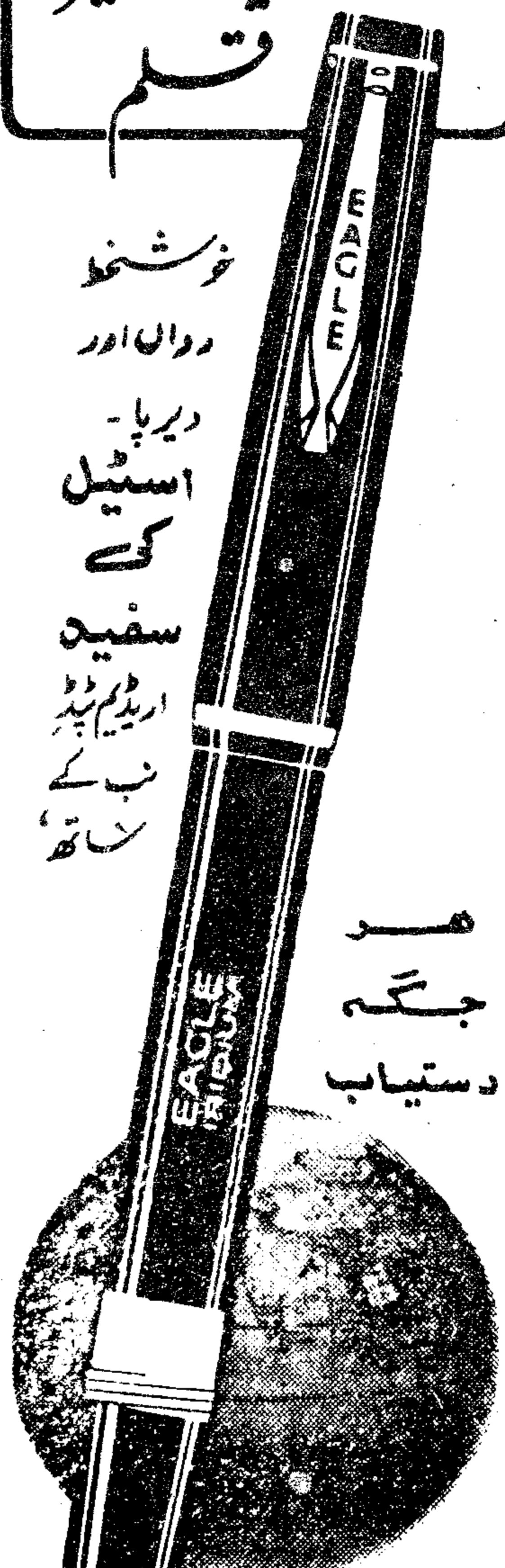
کنول لنن، صنم پاپلین
بے نظیر پاپلین
کہکشاں پوش
سنگم بوسکی
مایہ ناز پاپلین
کمانڈر پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۳۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰ لان
دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین کے پارچہ جات
پولی کارڈ سوٹنگ
حسین کے خوبصورت پارچہ جات نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے موزوں۔ حسین کے پارچہ جات شہر کی ہر بڑی دکان پر دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

SOHRAB
پاکستان کا نمبر 1 بائیسکل
سہراب

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

☆ خمینی کے ایران میں مسلمانوں کی حالتِ زار
☆ پاکستان کے امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی نوعیت
☆ قرآنی احکام کے ساتھ استہزاء
☆ ایں رنج را براحتِ شاہاں نمے دہم

خمینی کے ایران میں مسلمانوں کی حالتِ زار

اصل میں ایران ایک سنّی ملک ہے کیونکہ شیعہ راہنماؤں کے اعتراف اور تاریخ کی شہادت کی رُو سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسماعیل صفوی کی حکومت سے قبل ایران کی اکثریت سُنّی تھی۔ سب سے پہلے اسمٰعیل صفوی نے بزورِ شمشیر اور مکر و فریب سے اہلسنت کے نام و نشان کو ایران سے مٹانے کی کوشش کی اس مقصد کے لیے اس نے لاکھوں سُنّی مسلمان اور دانشور حضرات کو تہِ تیغ کر دیا۔ مظلوم سنیوں نے اپنی جان کی حفاظت کے لیے دُور دراز اور خشک و بے آباد پہاڑی علاقوں کا رُخ کیا اور وہاں موت و حیات کی حالت میں سانس لینے لگے۔ یہانتک کہ زمانہ گذ[illegible] آگیا اور ان کی مسلسل اور پیہم اور انتھک جدوجہد سے ان پہاڑی علاقوں میں چھوٹے چھوٹے شہر اور بستیاں وجود میں آگئیں۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل ایران کے چاروں طرف دور دراز علاقوں میں اہلسنت رہائش پذیر ہیں اور ان کے شہر اتنے آباد اور بارونق نہیں ہیں۔ اب خمینی حکومت کی نظر انہی شہروں پر جمی ہوئی ہے۔ خمینی انقلاب تک تو اہلسنت خاموشی اور آرام سے سانس لے رہے تھے اگرچہ شاہ کے دور میں بھی اہلسنت اپنے تمام حقوق سے محروم تھے لیکن تمام محرومیت اور مظلومیت کے باوجود اپنے نجی اور مذہبی امور میں بالکل آزاد تھے لیکن جب سے اسلام کے نام پر خمینی انقلاب وہاں آیا تو جوں جوں وقت گذرتا رہا خمینی حکومت نے سُنّیوں کو مٹانے اور پریشان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ایران میں مسلمانوں کی حالتِ زار ناگفتہ بہ ہے۔ خمینی حکومت اس بات پر تُلی ہوئی ہے کہ قرآن و سنّت کی شعاعوں کو سرزمینِ ایران سے مٹا دے اور مسلمانوں کے نام و نشان کو ایران سے ختم کر دے۔ اس لیے اُس نے ان آٹھ سالوں میں جہاں تک اس کے سیاسی مفادات نے اجازت دی سُنّی علماء کو دبانے اور ختم کرنے کی کوشش کی اور بہت سے سنّی مسلمانوں کو خود ساختہ بہانوں سے شہید کر دیا گیا ہے اور اُن کے لاتعداد دینی مراکز و مدارس اور مساجد کو مختلف حیلوں سے مٹا دیا ہے اور مزید مٹا رہے ہیں۔ اب تک جو کچھ سنّیوں پر ہوا ہے اگر تفصیلاً ذکر کیا جائے تو مثنوی ہفتاد من بن جائے گی۔ اس لیے ہم تفصیل میں جانے کی بجائے چند باتیں عرض کرتے ہیں —— خمینی حکومت نے سنّی مراکز کو مٹانے اور بند کرنے کے ساتھ ساتھ سنّی اکثریتی صوبوں اور شہروں میں شیعی مدارس و مراکز قائم کیے ہیں اور کر رہی ہے۔ یہاں تک اُن علاقوں میں جہاں کوئی ایک بھی شیعی گھرانا نہیں ہے وہاں بھی حکومت نے شیعی مسجد،

مدرسہ اور کتب خانہ کا انتظام کیا ہے۔ اور سُنّی علاقوں کے سکول و کالجوں میں زیادہ تر شیعہ اساتذہ کا تقرر کیا جاتا ہے اور جہاں بھی کوئی ایک سُنّی سکول ٹیچر ہوگا اس کو بھی یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ دین و مذہب سے متعلق کچھ باتیں کہہ سکے۔ اور اگر یہ پتہ چل جائے کہ کوئی سُنّی ملازم یا ٹیچر مذہبی ذہنیت رکھتا ہے فی الفور اس کو ملازمت سے نکال دیتے ہیں۔ اسی طرح سُنّی اکثریت کے صوبوں اور شہروں میں بڑی تیزی سے شیعوں کو رشوت و لالچ دے کر اور تمام تر سرکاری سہولتیں مہیا کر کے لایا جاتا ہے اور اس طریقے سے سُنّی تشخص کو ختم کرنے کی ناپاک کوششیں کی جا رہی ہیں۔

(سازمان جہانی مجاہدین اہل سُنّت، ایران)

پاکستان کے امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی نوعیت

محترم! امریکہ کے ساتھ ہماری حکومتِ پاکستان کے تعلقات کی نوعیت اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی اور مختلف ایسے واقعات ہوتے رہتے اور ایسی خبریں سامنے آتی رہتی ہیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہماری حکومت کس حد تک امریکی مفادات کے تابع ہو گئی ہے مثلاً ہمارے ملک کی سرزمین پر امریکی اڈے موجود ہونے کی متضاد خبریں، افغانستان کے مسئلہ پر امریکی پالیسی اور مفادات کے زیر اثر ہونا، ہماری بندرگاہوں پر امریکی ایٹمی جنگی بحری بیڑے کی آمد اور ساتھ یہ بات اُس وقت اور واضح ہو جاتی ہے جب امریکی حکومت امداد دینے کے لیے قانون میں خصوصی ترمیم کرتی ہے اور امریکی امداد میں اسرائیل کے بعد پاکستان کا نام نظر آتا ہے۔

میں اپنی ذمہ داری اور جذبۂ حب الوطنی کی بنا پر ایک اہم اور حساس خبر کی طرف، اس امید پر کہ آپ مناسب اقدام کریں گے، (آپ کی) توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

ریڈیو اسرائیل مؤرخہ ۱۰ مارچ ۱۹۸۶ء کو اپنی رات کے ساڑھے آٹھ بجے کی نشریات میں یہ خبر نشر کرتا ہے کہ اسرائیل کی حکومت نے تروال کارپوریشن کے ذریعے سے ایک لاکھ ڈالر کی مالیت کا آرا (چیرنے کے اوزار) پاکستان کو ۱۹۸۶ء میں برآمد کیا ہے۔

یہ خبر ہر محبِ وطن کو چونکا دینے کے لیے کافی ہونی چاہیئے۔ کیا ہماری حکومت اس حد تک امریکی مفادات کے تابع ہو گئی ہے کہ اُس کی خوشنودی کے لیے بیت المقدس کے غاصب اور فلسطینی مسلمانوں کے قاتل خون آشام وحشی درندے کے ساتھ خفیہ اقتصادی تعلقات قائم کر چکی ہے۔ اگر (واقعی) ایسا ہے تو یہ سراسر سارے ملک کے عوام کے ساتھ غداری ہے۔ ہماری حکومت کو کسی کیمپ ڈیوڈ جیسے ناپاک سمجھوتے میں شریک نہیں ہونا چاہیئے۔۔۔ آپ ایک ذمہ دار اور محبِ وطن ہونے کی حیثیت سے اس مسئلہ پر آواز اٹھائیں اور اس مسئلے کی کھلم کھلا تحقیق ہونی چاہیئے اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے والے افراد کا محاسبہ ہونا چاہیئے۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ اس خبر کے بارے میں واضح اعلان کرے اور اسلام و مسلمانوں سے غداری کرنے والوں کو سرِعام سزا دینی چاہیئے۔

بس میں نے اپنا فرض پورا کیا ہے، اس کے بعد اگر آپ نے اپنی استطاعت کے مطابق کچھ نہ کیا تو کل محشر کے دن خدائے بزرگ و برتر کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

(عبدالرؤف، ایم اے، راولپنڈی)

قرآنی احکام سے استہزاء ۴ مارچ کے اخبار جنگ (لاہور) میں ویمن ایکشن فورم (خواتین محاذ عمل) کی طرف سے چند فاحشہ عورتوں کی تصاویر کے ساتھ ان کی طرف سے بیان جاری ہوا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ حدود آرڈیننس اور وفاقی شرعی عدالت کو ختم کیا جائے، طلاق کا حق عورت کو دیا جائے، سزائے موت، سنگسار کرنا، چور کا ہاتھ کاٹنا جیسی سزائیں منسوخ کی جائیں۔

قرآنی آیات مقدسہ پر عمل نہ کرنا ایک اور بات ہے لیکن قرآنی احکامات اور فیصلوں کی منسوخی کا مطالبہ کرنا تو صریح کفر ہے۔ اور پھر اس کفر کی اشاعت ایسے ملک میں ہو رہی ہے جس کے قیام کا مقصد وحید قرآنی احکامات کا نفاذ تھا۔

؎ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

مجھے یاد ہے کہ ایوب خان کے دور میں جب سرکاری طور پر زکوٰۃ کو ٹیکس کہا گیا تو اس بیچارے کے دن مختصر ہو گئے تھے۔ اب اسلام کا "صرف نام" لینے والے حکمرانوں کے دور میں اسلام کے ساتھ جو تماشا ہو رہا ہے اور کھلم کھلا بغاوت اور اس کی تشہیر ہو رہی ہے اور پھر اس پر کوئی گرفت نہیں، یہ ان بیچاروں کے دن مختصر کرنے کا سامان ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حالت پر رحم فرماویں اور ہم سب کو کما حقہٗ اسلام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرماویں۔ یہ تو کریم و رحیم رب کی شانِ رحیمی و کریمی کا اظہار ہے، ورنہ ہماری بغاوت، ہماری بداعمالیاں اور اسلام کے ساتھ کھلم کھلا مذاق۔۔۔ ڈر لگتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی خوفناک عذاب کا باعث نہ بن جائے۔ (اللہ بچائے)

اپنی کم علمی، کم عقلی کے باوجود جی نے چاہا کہ ان کی خدمت میں دل کی بات عرض کر دوں۔

(الحاج) محمد سعید، دار السعید حویلیاں

لندن میں انٹرویو کے مطالعہ پر اظہار مسرت آج (۱۵/۹/۸۷) کے روزنامہ جنگ لندن میں قائد جمعیۃ مولانا سمیع الحق صاحب کا انٹرویو پڑھا، صحیح معنوں میں مزا آ گیا۔۔۔ اللہ پاک آپ کو اور آپ کے کام میں برکت دے۔ اور جو خدمت آپ دین اور قوم کی کر رہے ہیں، اس کا اجرِ عظیم آپ کو انشاء اللہ ضرور ملے گا۔ (پرویز شیخ - انگلینڈ)

قندھار جیل ماہنامہ الحق کی ادارتی تحریر سے جہادِ افغانستان کی تازہ ترین صورتحال معلوم ہوئی۔ آپ کے عزائم ماشاء اللہ بہت خوب ہیں، علماء حق، اکابر و مشائخ اور عالم اسلام اور ٹوٹے و مجروح دل اور اللہ تعالیٰ کے باکبازوں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا تعالیٰ نفاذِ شریعت اور جہادِ افغانستان کے معرکۂ کار میں آپ کی

مساعی کو بار آور کرے۔ اختر شیرانی مرحوم کی ایک نظم پیشِ خدمت ہے، قارئینِ الحق بھی جہادِ افغانستان کی نسبت سے اس سے محظوظ ہو سکتے ہیں۔ (والسلام: شبیر احمد نفیسی، لاہور)

عاشقانہ موت مرنا ہے تو قندھار چل

رنگ لایا ہے عجب یہ چرخِ کج رفتار چل — پھر نظر آتے ہیں برپا حشر کے آثار چل

کعبۂ ملت پہ ہے پھر نرغۂ اشرار چل — چھوڑ دے ہاں چھوڑ دے دنیا کے کاروبار چل

پھر اٹھائے ہاتھ میں شمشیرِ جوہر دار چل — عاشقانہ موت مرنا ہے تو قندھار چل

سرفروشی کی ادائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد — ارضِ کابل کی فضائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد

باغِ ملت کی ہوائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد — اُٹھ بزرگوں کی صدائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد

موت کی وادی میں کر اسلاف کا دیدار چل — عاشقانہ موت مرنا ہے تو قندھار چل

<u>ایں رنج را براحت شاہاں نمے دہم</u> | شاہ غلام علی نقشبندیؒ (م ۱۲۴۰ھ) مُرشد دوست محمد قندھاری نے نواب ٹونک کو مندرجہ ذیل کلام جواب میں لکھا تھا ؎

نانِ جویں و خرقۂ پشمین و آب شور — سیپارہ کلام و حدیث پیمبری

ہم نسخہ دو چار علمیکہ نافع است — در دین نہ لغو بو علی و ژاژ عنصری

تاریک کلبہ کہ پئے روشنئ آں — بیہودہ منتے نبرد شمع خاوری

بہ یک دو آشنا کہ نیرزد بہ نیم جو — در پیش چشم ہمتِ او ملک سنجری

ایں آں سعادت است کہ حسرت برو برد — جو یائے تختِ قیصر و ملک سکندری

شیخ محمد عیسیٰؒ (م ۱۰۸۰ھ) کا فرمان ہے ؎

من دلقِ خود بہ افسرِ شاہاں نمے دہم — من فقرِ خود بملک سلیمان نمے دہم

از رنج فقر در دل گنجے کہ یافتم — ایں رنج را براحت شاہاں نمے دہم

(حضرت العلامہ مولانا) قاضی محمد زاہد الحسینی، اٹک شہر

<u>دفاعِ امام ابو حنیفہؒ</u> | آپکے ادارہ مؤتمر المصنفین کی تازہ اشاعت "دفاعِ امام ابو حنیفہؒ" نظر سے گذری حقیقت یہ ہے کہ اس دورِ پُرفتن میں وہ لوگ انتہائی خوش قسمت اور خوش نصیب ہیں جنکے اوقات ربِّ کائنات کی یاد میں بسر ہوتے ہیں اور جو باطل اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف قلمی و تحریری جہاد کرتے ہوئے اشاعتِ دین کیلئے اپنے شب و روز گذار رہے ہیں اور اسلاف و اکابرینِ اُمت پر اُچھالے گئے کیچڑ کو بزورِ قلم ردّ کر کے اُن کی صحیح پوزیشن و کردار اور اُن کی اصلیت و حقیقت کو واضح کر رہے ہیں اس لحاظ سے کتاب مذکورہ امام ابو حنیفہؒ کے ناقدین و معترضین کے لیے جہاں ایک طرف منہ توڑ اور دندان شکن جواب ہے وہاں دوسری طرف ان کے اوصافِ حسنہ و صفاتِ حمیدہ، علم و معرفت اور ان کی انسانیت و عبدیت کی معراج کا مظہر اور مدلل و ٹھوس ثبوت ہے جو کتاب میں تذکرہ کے دوران آشکارا ہے۔ میری طرف سے اس عظیم شاہکار کی اشاعت پر دلی مبارکباد قبول فرمائیے ——— (محمد اکرم، واہ کینٹ)

KPT
پاکستان کی
قومی بندرگاہ....
...پوری لگن کے ساتھ
قومی تجارت کے فروغ کے لیے
اپنی کوشش تیز سے تیز تر
کر رہی ہے۔
کراچی پورٹ ٹرسٹ
تجارت اور معیشت کی خدمت میں
کراچی پورٹ
پاکستان کی قومی بندرگاہ

شفیق فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

★ ۴ شعبان جامع مسجد دارالعلوم میں ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہوئی۔ دارالعلوم کے اکابر اساتذہ، مشائخ اور طلبہ کے علاوہ پہلے سے کسی پیشگی اطلاع کے بغیر قرب وجوار کے علماء، مشائخ، فضلاء دارالعلوم کے متعلقین نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم نے بخاری شریف کا آخری حدیث کا درس دیا۔ اس موقعہ پر دارالعلوم کے طلبہ دورۂ حدیث کی دستار بندی بھی ہوئی۔ دارالعلوم کے شعبہ دارالحفظ والتجوید کے طلبہ میں حفظ القرآن کے مکمل کرنے پر سندات تقسیم کیے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ان کی بھی دستار بندی فرمائی۔ جب کہ اس سے قبل دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات میں اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہونے والوں میں تقسیم انعامات کی تقریب منعقد ہوئی جس میں دارالعلوم کے اکابر اساتذہ اور طلبہ اور ان کے والدین اور سرپرستوں نے شرکت کی۔ مولانا انوارالحق مدظلہ نے مختصر تعارفی خطاب فرمایا۔ اس کے بعد تمام درجات میں اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ میں درجات کے معیار کے لحاظ سے قیمتی کتب اور کپڑے بطور انعام تقسیم کئے گئے۔

★ یکم شعبان دارالعلوم کے سالانہ امتحانات منعقد ہوئے۔ شرکائے امتحان کی کثرت کی وجہ سے جامع مسجد دارالعلوم کے وسیع ہال کو ناکافی سمجھا گیا۔ اس لئے دارالحدیث کو بھی بطور امتحان ہال کے استعمال کیا گیا۔ مدارس عربیہ کی مرکزی تنظیم وفاق المدارس العربیہ کے تحت سالانہ امتحانات بھی اسی تاریخ کو شروع ہوئے۔ دارالعلوم میں وفاق کے امتحانات کے سلسلہ میں کراچی اور سرحد کے دینی مدارس کے اساتذہ نے بطور نگران اپنے فرائض انجام دئے جب کہ دارالعلوم کے اساتذہ اور منتظمین نے غیر وفاقی درجات کے طلبہ کے امتحانات کی نگرانی کی۔ دارالعلوم میں تحریری اور تقریری امتحانات کا یہ سلسلہ ہفتہ بھر جاری رہا۔

★ ۷ شعبان سے دارالعلوم کے سالانہ تعطیلات کے اعلان سے درس نظامی کے باقاعدہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بند رہا۔ تاہم دارالعلوم کے مرکزی دفاتر، دفتر اہتمام، ماہنامہ الحق، دارالافتاء، مؤتمر المصنفین، تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول کے علاوہ شعبہ دارالتجوید اور دورۂ تفسیر کا سلسلہ جاری رہا نیز دارالعلوم میں مقیم اساتذہ گردو نواح کے طلبہ کو خارجی طور پر پڑھاتے بھی رہے۔ حسب سابق اس سال بھی دارالحفظ کے قراء اور حفاظ طلبہ نے اکوڑہ خٹک اور گرد و نواح کے علاقہ کی مساجد میں وہاں کے لوگوں کے مطالبہ پر تراویح میں قرآن سنایا۔ اور الحمدللہ شاید علاقہ بھر میں کوئی مسجد رہ گئی ہو

رہ جہاں قرآن نہ سنایا گیا ہو۔

مسجد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ (قدیم دارالعلوم حقانیہ) میں حسب سابق امسال بھی حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے صاحبزادے مولانا انوار الحق نے تراویح میں قرآن سنایا جب کہ جامع مسجد دارالعلوم میں مولانا سمیع الحق کے برخوردار حافظ راشد الحق نے قرآن سنایا۔ ۲۱۔ اور ۲۵ رمضان المبارک کی شب کو دونوں جگہ ختم القرآن کی تقاریب منعقد ہوئیں۔ اکوڑہ کے علاوہ گرد و نواح کے شائقین اور مخلصین و محبین کی بھرپور حاضری رہی۔ دونوں جگہ حاضرین مولانا عبدالقیوم حقانی کی تقاریر سے محظوظ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے مختصر خطاب اور پرخلوص دعاؤں سے بہرہ ور ہوتے رہے۔

★ دارالعلوم کے تعلیمی سال کے اختتام پر سالانہ امتحانات کے انعقاد کے بعد تعطیلات میں دارالعلوم کی جانب سے ترجمہ قرآن اور دورہ تفسیر کے پڑھانے کا چار سال سے باقاعدگی سے اہتمام کیا جا رہا ہے۔ جسے دارالعلوم کے وحید فاضل اور لائق اساتذہ مولانا مفتی غلام الرحمٰن اور مولانا عبدالقیوم حقانی بڑی تحقیق اور محنت سے پڑھا رہے ہیں۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی ۹ شعبان سے ۱۷ رمضان المبارک تک ترجمہ و دورہ تفسیر کی باقاعدہ کلاسیں لگتی رہیں طلبہ کے باضابطہ داخلہ کا اہتمام کیا گیا۔ مستحق طلبہ کے لئے دارالاقامہ اور دیگر سہولیات کے علاوہ تعطیلات میں بھی ان کے لئے مطبخ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

درس میں روزانہ کی حسب معمول حاضری ڈھائی سو سے تین سو تک رہی۔ جب کہ ڈیڑھ سو کے قریب شرکا کو سندات جاری کئے گئے۔ ۱۷ رمضان المبارک کو اختتام درس اور تقسیم سندات کی تقریب منعقد ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی علالت اور مولانا سمیع الحق مدظلہ کے سفر عمرہ کی وجہ سے حضرت مولانا مغفور اللہ مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم نے آخری دو سورتوں کا مفصل درس دیا۔ اور دارالعلوم کے اساتذہ مولانا انوار الحق، مولانا سید اللہ، مولانا مغفور اللہ، مولانا سیف اللہ مولانا مفتی غلام الرحمٰن اور مولانا عبدالقیوم حقانی نے سندات تقسیم کئے۔ اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہونے والے طلبہ میں حضرت العلامہ مولانا قاضی زاہد الحسینی خلیفہ اجل شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے عطا فرمودہ کتب بطور انعام تقسیم کئے گئے۔

★ ۲۱ رمضان المبارک جہاد افغانستان اور اب کے جنیوا معاہدہ کے سلسلہ میں قائد شریعت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ اور قائد جمعیت مولانا سمیع الحق کی ذاتی دلچسپیوں، مسلسل مساعی افغان قائدین اور میدان جنگ کے جرنیلوں سے رابطہ، باہمی مشاورت، ہر لمحہ کی تازہ ترین صورت حال سے آگاہی و مشاورت اور اس سے نمٹنے کے لئے افغان قیادت کے مرکزی رہنما اور مختلف محاذ جنگ کے کئی ایک جرنیل دارالعلوم تشریف لاتے رہے۔ ہر دو حضرات سے جنیوا معاہدہ اور اب اس کے بعد پیدا ہونے والی اہم ترین اور نازک و حساس صورت حال پر باہم مشورہ کرتے رہے دارالعلوم تشریف لانے والوں میں افغان قیادت کے مرکزی رہنماؤں کے علاوہ افغان اتحاد کونسل کے سابق چیئرمین مولوی محمد یونس خالص، اتحاد کونسل کے نو منتخب چیئرمین حکمت یار گلبدین بھی تشریف لائے اور اہم امور پر تبادلہ خیال فرمایا۔

★ افغان اتحاد کونسل کے چیئرمین جناب انجنیئر حکمت یار گلبدین کی طرف سے افغان اتحاد کے سات جماعتوں کے قائدین کے علاوہ پاکستان میں جہاد افغانستان کی حامی پارٹیوں کے رہنماؤں کو افطار پارٹی دینے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جمعیت علماء اسلام کے مرکزی سکریٹری جنرل مولانا سمیع الحق کی خدمت میں بھی افغان زعماء اور اکابر علماء کا ایک وفد اس پارٹی میں شرکت کی دعوت کی غرض سے حاضر ہوا۔ مگر آپ کے پہلے سے طے شدہ سفر عمرہ کی وجہ سے حضرت مولانا انوار الحق اور عبدالقیوم حقانی نے اجلاس میں شرکت کی۔ اور جنیوا معاہدہ کے بعد پیش آمدہ تازہ ترین صورت حال پر افغان مہاجرین اور پاکستانی انصار کی باہمی مجلس مشاورت کے اجلاس سے خطاب بھی کیا۔

★ جمعیت علماء اسلام کے مرکزی امیر حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ مولانا سمیع الحق کی والدہ کی تعزیت کے سلسلہ میں دارالعلوم تشریف لائے۔ دورۂ تفسیر کے اجراء اور کامیابی پر اپنی مسرتوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ جامع مسجد دارالعلوم میں طلبہ دورۂ تفسیر کو سورہ بقرہ کی آخری آیات کا درس بھی دیا۔ بعد میں مولانا سمیع الحق کی معیت میں ان کی والدہ مرحومہ کی قبر پر بھی تشریف لے گئے۔ اور مرحومہ کے لئے ایصال ثواب اور مغفرت کی دعائیں کیں۔

★ جناب مدیر الحق مولانا سمیع الحق نے چونکہ ۲۲ رمضان المبارک کو سفر عمرہ پر روانہ ہونا تھا لہذا ایک روز قبل دارالعلوم میں اساتذہ کرام اور انتظامیہ کے باہمی مشورہ اور تعاون سے دفتر اہتمام، ماہنامہ الحق، مؤتمر المصنفین اور تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول اور دارالعلوم کے مختلف شعبوں سے متعلق اہم امور نمٹائے۔ صبح ۱۰ بجے کی پرواز سے حجاز مقدس کے لئے روانگی ہوئی۔ اس مبارک سفر میں ماہنامہ الحق کے منیجر شفیق الدین فاروقی بھی آپ کے ہمراہ ہوں گے۔

★ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ امتحانات میں حصہ لینے والے تمام درجات کے طلبہ کے امتحانی نتائج کا اعلان کر دیا گیا۔ بحمداللہ امسال بھی دارالعلوم کے سابقہ شاندار تعلیمی اور امتحانی روایات کو طلبہ دارالعلوم نے باقی رکھا۔ اوسطاً نتیجہ تو حوصلہ افزا ہی رہا مستزاد اس پر اللہ کا یہ کرم ہوا کہ پورے پاکستان کے دینی مدارس کے طلبہ دورۂ حدیث جنہوں نے امتحان میں حصہ لیا میں اول اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے بھی دارالعلوم حقانیہ ہی کے دو ہونہار طالب علم ہیں۔

مولوی حافظ شوکت علی ولد مولوی عبدالمنان ۵۷۷ نمبر حاصل کر کے آل پاکستان وفاق المدارس بورڈ میں اول پوزیشن حاصل کی۔ موصوف آغاز تعلیم سے لے کر آخر تک دارالعلوم ہی میں زیر تعلیم رہے جب کہ مولوی محمد قاسم ولد شیخ الحدیث محمد احمد بانی و مہتمم دارالعلوم اسلامیہ شیر گڑھ نے ۵۵۳ نمبر حاصل کر کے پورے بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کی ۔

شریکِ غم

حافظ محمد ابراہیم فانی، مدرس دارالعلوم حقانیہ

قطعۂ سالِ وفات

اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

اے ۱۱ + مغفورہ ۱۳۳۱ + وکیل ۶۶ = ۱۴۰۸ھ

اے کہ تیری موت آئی صد پریشانی کے ساتھ
درد و غم کرب و الم اور خانہ ویرانی کے ساتھ

شہرِ دل پر یا خدا! یہ ماجرا کیا ہو گیا
حملہ زن ہے لشکرِ غم فتنہ سامانی کے ساتھ

اے خدا دندا ہمیں توفیقِ ضبطِ غم بھی دے
موت گو ہے لازمہ اک نسلِ انسانی کے ساتھ

صدمۂ فرقت نہیں بہ فردِ واحد کے لیے
آسماں بھی گریہ زن ہے بزمِ حقانی کے ساتھ

موت تھی "اللہ" تیری کس قدر رشک آفریں
جب اٹھا تیرا جنازہ کیفِ وجدانی کے ساتھ

مہبطِ انوارِ حق ہو آپ کا خاکی مزار
حشر تک ہو رحمتِ حق کی نگہبانی کے ساتھ

"اے" کہ تو "مغفورہ" مولا "وکیل" کائنات
تیری تربت ہو منور لطفِ ربانی کے ساتھ

نالہ زن تنہا نہیں ہیں آپ مولانا سمیع
مرثیہ خواں ایک عالم بھی تو ہے فانی کے ساتھ

تبصرۂ کتب

کتابت اور تدوینِ حدیث تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی۔ صفحات ۴۸۔ ناشر: مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور

انگریزوں نے برصغیر میں سیاسی استحکام کی غرض سے مسلمانوں کو گوناگوں مشکلات سے دوچار کیا۔ اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی مسائل میں ایسی پیچیدگیاں پیدا کیں جس سے امتِ مسلمہ کی وحدت بری طرح متاثر ہوئی۔

علم دوستی، تحقیق و ریسرچ کے لبادہ میں مسلمانوں کو عظیم موروثی علمی اور تحقیقی ذخیرہ "حدیثِ رسول" سے بدظن کرنے کی مذموم کوشش کی گئی۔ سادہ لوح اور خالی الذہن مسلمانوں کے اذہان میں يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ کے آزمودہ طریقہ اضلال سے بے دینی کی ایسی تخم ریزی کی گئی کہ اچھے خاصے متدین گھرانوں سے الحاد و دہریت کی صدائیں بلند ہوئیں۔

نام نہاد علم دوستی کے اس تاریک دور میں مستشرقین کے ذریعہ جس شجرۂ خبیثہ کی زیادہ آبیاری ہوئی وہ بدنامِ زمانہ "منکرینِ حدیث" کا ٹولہ ہے۔ علماءِ حق نے ہر دور میں ان کا تعاقب کیا۔ چنانچہ ان کے باطل اور فرسودہ خیالات و نظریات کو کسی منصف مزاج شخص کے دل و دماغ میں یقینی طور پر قرار نہیں ملا۔۔۔ پیشِ نظر کتاب "کتابت اور تدوینِ حدیث" بھی ان مبارک کوششوں کی ایک کڑی ہے جو مادرِ علمی مرکزِ علم دارالعلوم حقانیہ کے روحانی فرزندوں میں سے نامور فاضل و مدرس مولانا عبدالقیوم حقانی کی محنت اور علمی و مطالعاتی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ جن کی اس سے قبل بھی کئی ایک اہم علمی اور تحقیقی تصانیف علمی و دینی اور مطالعاتی حلقوں میں متعارف اور مقبول ہو چکی ہیں۔

پیشِ نظر رسالہ ٹھوس علمی و تحقیقی دلائل، ناقابلِ انکار شواہد اور حوالہ جات، الزامی جوابات، مضامین اور اپنے موضوع پر جامع اور پُرمغز رسالہ ہونے کے باوجود عام قارئین، اساتذۂ حدیث اور طالبانِ علومِ نبوت کی سہولت پسندی کے پیشِ نظر مختصر اور "دریا بہ کوزہ اندر" کا مصداق بھی ہے۔ علمِ حدیث سے تعلق رکھنے والے اساتذہ اور طلباءِ حدیث کے لیے انمول موتی اور گرانقدر علمی تحفہ ہے۔۔۔ ابتداء میں ڈھائی صفحات کے، حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مدیر ماہنامہ الحق کے وقیع اور جاندار مقدمے سے کتاب کی قیمت و اہمیت اور بھی دوبالا ہو گئی ہے۔

کراچی کے جناب ایوب مامون صاحب بھی علمی و دینی حلقوں کی جانب سے شکریئے کے مستحق ہیں جنہوں نے اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کی نیت سے کتاب کا پہلا ایڈیشن اساتذۂ حدیث اور طلبہ دورۂ حدیث کی خدمت میں مفت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔۔۔ اہلِ علم حضرات، دینی مدارس کے اساتذہ اور طلبہ دورۂ حدیث مؤلف کے نام خط لکھ کر مذکورہ رسالہ مفت حاصل کر سکتے ہیں۔ (غلام الرحمٰن)